حُسنِ معاشرت

اور اس کی تکمیل میں خواتین کا حصہ

مولانا محمد یوسف اصلاحی

حُسنِ مُعاشرت

اور اس کی تکمیل میں خواتین کا حصہ

مولانا محمد یوسف اصلاحی

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ

اُن خواتینِ اسلام کے لیے

جو

☆ اپنے فرائض کے گہرے احساس پر

☆ پرسوز جذبات

اور

☆ مجاہدانہ کوششوں سے

اس معاشرے میں انقلاب برپا کرسکتی ہیں

عَن ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً کَانَ عِنْدَہٗ وَلَہٗ
بَنَاتٌ فَتَمَنّٰی مَوْتَھُنَّ فَغَضِبَ ابْنُ عُمَرَ
فَقَالَ اَنْتَ تَرْزُقُھُنَّ (الادب المفرد۔ص۱۶)

''عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا، اس کے ہاں کئی لڑکیاں تھیں۔ اس نے تمنا کی کاش یہ سب مر جائیں، عبداللہ بن عمرؓ اس پر غضب ناک ہوئے اور فرمایا، کیا تم ان کے رازق ہو؟''

فہرست مضامین

تعارف	13
کتاب کی امتیازی خصوصیات	14
☆ **والدین کے حقوق**	15
خدا کے بعد سب سے بڑا حق	15
والدین کی اہمیت	17
والدین کی خدمت کا دنیوی انعام	19
والدین کے ساتھ نیک سلوک	21
والدین کا ادب واحترام	23
حضرت ابو ہریرہؓ کی نصیحت	23
گفتگو میں نرمی کا اجر	23
والدین کا بدلہ	24
حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنی والدہ کے ساتھ برتاؤ	25
اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال	25
اطاعتِ والدین سے انکار	28
حضرت ابوالدرداؓ کا مشورہ	32
والدین کی وفات کے بعد سلوک کی صورتیں	33
دعا واستغفار	34
والدین کے عہد ووصیت کو پورا کرنا	35

ماں کی سہیلیوں اور باپ کے دوستوں کے ساتھ سلوک	36
صحابہ کرامؓ کا عمل	36
ماں باپ کے لیے دعا واستغفار کا اجر	37
والدین کی طرف محبت کی ایک نگاہ	38
والدین کی مالی امداد	39
بیٹے کے مال میں باپ کا حق	39
والدین کے قرضے کی فکر	40
خدمتِ والدین کی برکتیں	41
ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں	41
عبرت انگیز مکالمہ	43
ماں کی مامتا کا خیال	45
ماں کی فرمائش کا خیال	45
ماں کا ادب	46
ماں کی خدمت	46
ماں کے ساتھ سلوک	47
رضاعی ماں کے ساتھ سلوک	48
غیر مسلم ماں باپ کے ساتھ سلوک	48
حضرت سعدؓ کی کافرہ ماں	49
مشرکہ ماں کے حق میں رسول اکرمؐ کا فرمان	50
منکرِ اسلام ماں سے بھلائی کا خوشگوار انجام	51
ماں باپ کی نافرمانی	53
بدترین گناہ	53
یمن والوں کے نام رسول اکرمؐ کا خط	55

رسول اکرمؐ کی وصیت	56
والدین کو رُلانا	56
ماں باپ کو بُرا بھلا کہنا	56
لعنت ملامت کرنا	57
نافرمانی کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے	59
نافرمان کی نیکیاں بے نتیجہ ہیں	59
ماں کی نافرمانی	60
ماؤں کی نافرمانی	61
بخل اور حرص	61
لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا	62
خواہ مخواہ باتیں بنانا	63
بہت زیادہ سوالات کرنا	63
مال کو برباد کرنا	64
ماں کی بددعا	65
ماں کی نافرمانی کا عبرتناک انجام	67
والدین سے سلوک کے فوائد، ایک نظر میں	68
☆ **اولاد کے حقوق**	71
اولاد کی خواہش	71
مسلمان عورت کا امتیاز	72
ماں کی توقعات	74
اولاد سے عام شکایت	74
ماں باپ کے سوچنے کی باتیں	75
اولاد کے حقوق کا واضح شعور	77

☆ اولاد کی قدر و قیمت 79

جنت میں امتیازی محل 80

اولاد، صدقۂ جاریہ 81

قتلِ اولاد بدترین گناہ 82

قتلِ اولاد کے اسباب 83

معصوم بچی کا حسرت ناک واقعہ 86

عبرت ناک آپ بیتی 89

لڑکی کی پیدائش 91

لڑکی جو وجۂ سعادت بنی 93

☆ اولاد کی پرورش 97

والدین پر خدا کا احسان 97

اولاد کی پروش ایک عام فطری جذبہ 98

پرورش کے معاملے میں مسلمان ماں کا امتیاز 99

پرورشِ اولاد کا مطلب، دو ذمے داریاں 102

ذمے داریوں کی تقسیم 102

بچے کو پالنے کی خدمت، ماں کا اصل کارنامہ 103

خواتین کا سب سے اونچا عمل 105

بچوں کی خاطر دوسری شادی نہ کرنے والی خاتون 107

بچوں کی پرورش اور صحابیاتؓ 108

پرورش کا حق ادا کرنے والی ایک ماں 108

بچوں کی پرورش کی خاطر بے مثال قربانی 110

ماں کا دودھ اور اسلامی نقطۂ نظر 111

ماں کے دودھ کی شرعی اور اخلاقی اہمیت	115
دودھ پلانے کا بیش بہا اجر	117
ماں کا دودھ طبی اور نفسیاتی پہلو سے	118
ایک ماں کا بصیرت افروز واقعہ	119
ماں کا دودھ اور صحت	120
جدید تحقیقات	120
اوپر کا دودھ اور قلب کا عارضہ	121
نفسیاتی رشتہ	122
☆ **اولاد کی کفالت**	**123**
کفالت کا مطلب	123
کفالت کی ذمے داری اور باپ کے جذبات	124
کفالت کا دینی تصور	124
اسوۂ حسنہ	125
عقیقہ	125
ختنہ	127
دودھ پلانے والی کا معاوضہ	129
اولاد کی کفالت کا حکم قرآن میں	131
اولاد کی کفالت، حدیث کی روشنی میں	132
اولاد کی کفالت، اولین ذمّے داری	132
بچوں کی کفالت سے غفلت، سنگین گناہ	134
وہ خرچ جس کا اجر سب سے بڑھ کر ہے	134
بچوں پر خرچ کرنے والی ماں کا اجر	135
لڑکی کی پرورش	136

قابلِ رشک صلہ 137

بیٹی ماں باپ کی جنت 138

☆ ایمان افروز انقلاب 139

ایک عجیب وغریب منظر 140

☆ حسن سلوک 142

بدسلوکی کے بدترین نتائج 142

ایک سبق آموز واقعہ 144

حسنِ سلوک کی تاکید قرآن میں 145

احنف بن قیس کی نصیحت 146

حسنِ سلوک کی تاکید حدیث میں 147

سلوک میں مساوات 147

لڑکی اور لڑکے کے ساتھ امتیازی سلوک 149

لڑکی: نارِ جہنم سے آڑ 151

رحم دلی کا صلہ 152

رسول اکرمؐ کا سلوک، اولاد کے ساتھ 152

بیٹی سے حسنِ سلوک 153

☆ اچھا نام رکھنا 157

آپ کے بچے کے لیے پسندیدہ نام 158

اچھا نام رکھنے کی ہدایت وحکمت 160

اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام 160

اچھے نام سے نیک شگون 161

حضرت عمرؓ کا ایک لطیفہ 162

نام کا احترام 163
نبی اکرمؐ کے تجویز کیے ہوئے چند نام 163
نام کی تبدیلی 163
برے نام کے برے اثرات 166
اللہ کے نزدیک بدترین نام 167
مخاطب کو اس کے پسندیدہ نام سے پکارنا 167
حضرت علیؓ کا محبوب ترین نام 167
پیار میں مختصر نام لینا 168
☆ اولاد سے پیار و محبت 169
مسلمان ماں کی محبت کا امتیاز 169
اولاد ذریعۂ آزمائش 170
اولاد سے بے مہری 171
اولاد کو چومنا خدا کی رحمت کا سبب ہے 174
اولاد کو پیار نہ کرنا بے رحمی ہے 175
بچوں کو گود میں لینا 175
نبی اکرمؐ اور اولاد سے محبت 176
ماں کی مامتا اور نبی اکرمؐ کا فیصلہ 178
حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک عجیب تمنا 179
دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک ماں کی فریاد 179
☆ اولاد کی تعلیم و تربیت 181
تعلیم و تربیت میں ماں کا خصوصی حصہ 182
عظیم ماں کی تربیت نے تقدیریں بدل دیں 184

اولاد کا شاندار مستقبل	186
شاندار مستقبل، اسلام کی نظر میں	186
اولاد کی تعلیم و تربیت کا مقام، دین میں	189
بچوں کی عزتِ نفس کا خیال	191
تربیت اولاد کے بارے میں باز پرس	192
تعلیم و تربیت کا آغاز	193
قرآن، دعائیں اور اذکار، نماز کی تعلیم	195
اسلامی آداب کی تعلیم	196
پاکیزہ قصے کہانی سنانے کا اہتمام	197
نماز کی تاکید	198
☆ اولاد کی شادی	199
اسلام کی ہدایت	199
شادی میں تاخیر کا وبال	200
مناسب رشتے کی تلاش	201
شریکِ حیات کے انتخاب کا معیار	202
رسول اکرمؐ کی ہدایت	203

تعارف

خدا کے دین پر ایمان لانے والا مرد ہو یا عورت...... اس کی زندگی کا ایک ہی مشن ہے ''اسلامی تہذیب وتمدن کو وجود میں لانے اور اسلامی نظام زندگی کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا'' اور تاریخ گواہ ہے کہ اس جدوجہد میں ہمیشہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی اپنے حصے کی ذمّے داریوں کو پورے احساسِ فرض اور لگن کے ساتھ ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کو وجود میں لانے اور اسلامی نظام زندگی کو قائم کرنے کی جدوجہد کا فطری طریق کار اور قدرتی ترتیب یہی ہے کہ پہلے ہم ایک پاکیزہ سماج اور صالح معاشرہ بنانے کی کوشش کریں اور نمونے کے طور پر اس مثالی معاشرے کو سامنے رکھیں جو ہزاروں سال پہلے عرب کی سرزمین میں خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا تھا اور جس پر رہتی دنیا تک انسانی تاریخ فخر کرتی رہے گی۔

بے شک یہ معاشرہ آج دنیا میں کہیں بھی اپنی اصلی اور مکمل شکل میں موجود نہیں ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جن سچے، قابل عمل اور دائمی اصولوں پر یہ معاشرہ تعمیر ہوا تھا وہ اصول آج بھی اپنی تمام خیر وبرکت کے ساتھ کتاب وسنت میں محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔

پیش نظر کتاب ''حسن معاشرت اور اس کی تکمیل میں خواتین کا حصہ'' انھی بابرکت اصولوں کا تعارف پیش کرتی ہے اور یہ جذبہ ابھارتی ہے کہ ان اصول وہدایات پر ایمان لانے والے اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ اپنی عملی زندگی میں ان کو اپنائیں، اور اپنے علم و عمل، اخلاق وکردار، سلوک وبرتاؤ اور اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل ومعاملات سے ان کا اظہار کریں اور خاص طور پر خواتین سے خطاب کرتی ہے کہ وہ اپنے حصے کی ذمّے داریوں کو محسوس کریں، پورے شعور اور لگن کے ساتھ ان کو ادا کرنے کی بھرپور کوشش

کریں، اور معاشرتی زندگی میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کا پورا پورا لحاظ رکھیں، اور اسی دائرے کے اندر اپنی سرگرمیاں محدود رکھیں جو ان کے مہربان خدا اور مہربان رسولؐ نے ان کے لیے مقرر فرمایا ہے اور یہ یقین رکھیں کہ ان حدود کو توڑنا اور اس دائرے سے بال برابر ادھر ادھر بھٹکنا دین و دنیا کی تباہی ہے۔

کتاب کی امتیازی خصوصیات

کتاب کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لیے ذیل کی باتوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے:

1- خالص علمی تحقیق اور نکتہ آفرینیوں سے بچتے ہوئے قرآن وحدیث کی سادہ ترجمانی اور عام فہم انداز بیان کا اہتمام۔

2- احادیث کے عربی متن پر پورے اہتمام کے ساتھ صحیح اعراب لگائے گئے ہیں، تاکہ عربی نہ جاننے والے بھی حدیث کے الفاظ پڑھنے سے محروم نہ رہیں۔

3- قرآن وحدیث کی سادہ ترجمانی کے ساتھ ساتھ ''علمی تشریح'' پر زیادہ توجہ دی گئی ہے یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم و ہدایات کے ذیل میں اسلامی تاریخ سے صحابہؓ، تابعین اور دوسرے بزرگوں کے مستند واقعات پیش کیے گئے ہیں، اور اس سے دو اہم مقصد پیش نظر رہے ہیں۔

اولاً: یہ کہ قرآن وحدیث میں اخلاق وعمل کا جو انتہائی اونچا تصور پیش کیا گیا ہے وہ محض خیالی نہیں ہے بلکہ ہر دور میں ہمارے اسلاف نے اس پر عمل کیا ہے، اور اس عمل کے خوشگوار نتائج سے بننے والی کامیاب زندگیاں تاریخ کی آغوش میں محفوظ ہیں۔

ثانیاً: یہ کہ انسان تقریر سے کہیں زیادہ عمل سے متاثر ہوتا ہے، اور یہ ایک مانی ہوئی نفسیاتی حقیقت ہے کہ عملی نمونے اصلاح وتربیت کے لیے انتہائی موثر ہوتے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی کوشش کو قبول فرمائے اور پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے، بالخصوص خواتین کو اس کے ذریعے اپنی ذمے داریوں کو سمجھنے اور ان کو ادا کرنے کا احساس وشعور عطا فرمائے اور مرتب کے لیے اس کو بہانۂ مغفرت بنائے۔ آمین!

محمد یوسف اصلاحی

12رمئی 1971ء بمطابق 16ربیع الاول، چہارشنبہ

والدین کے حقوق

خدا کی بندگی پر سب سے بڑا حق خدا کا ہے۔ خدا پر ایمان اور اس کی مخلصانہ بندگی آدمی کا اولین فریضہ ہے۔ اس کے بعد گھریلو زندگی کی ذمّے داریاں شروع ہوتی ہیں، ان ذمّے داریوں کو پورا کرنا اور گھریلو زندگی کی اصلاح، سُدھار اور تعمیر کی فکر کرنا ایک معاشرتی ضرورت بھی ہے اور ایک دینی فریضہ بھی۔

خدا کے بعد سب سے بڑا حق

گھریلو زندگی کے بعد خاندانی زندگی کا دائرہ شروع ہوتا ہے۔ اس زندگی میں سب سے اونچا مقام اور سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ والدین کے اونچے مقام اور حقوق کی اہمیت کا کسی قدر اندازہ قرآن کے اس انداز بیان سے ہوسکتا ہے کہ اس سے جگہ جگہ خدا کے حق کے ساتھ ساتھ والدین کے حق کو بیان کیا ہے اور خدا کی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری کی تاکید کی ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴ۭ

بنی اسرائیل 17:24-23

’’اور آپ کے رب نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا کسی دوسرے کی ہرگز بندگی نہ کرو، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو اور اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے

ادب واحترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور عاجزی سے ان کے سامنے جھک کر رہو اور ان کے حق میں دعا کرتے رہا کرو، کہ پروردگار! ان پر (اس بے بسی کی زندگی میں) رحم فرما! جس طرح بچپن (کی بے کسی) میں انھوں نے مجھے رحمت وشفقت سے پالا تھا۔''

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں کو آپ بار بار پڑھیں گی اور غور فرمائیں گی تو چند باتیں نکھر کر آپ کے سامنے آئیں گی:

☆ پہلی بات، ایک مومن پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے اور اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے توحید رب کے بعد اولین ہدایت یہ فرمائی کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر یہ تاکید اسی انداز بیان کے ساتھ قرآن نے بار بار کی ہے۔

☆ دوسری بات، والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو لازمی طور پر ان کے مزاج میں کچھ سختی، خشکی اور چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اور عمر کے تقاضے سے کچھ ایسی باتیں بھی ان کی طرف سے سامنے آنے لگتی ہیں جو توقع کے خلاف ہوتی ہیں، مسلمان خواتین کو چاہیے کہ ضعیفی کی اس عمر میں والدین کی تنگ مزاجی کا خیال رکھیں، ان کی مرضی کا لحاظ کریں، ان کی ہر بات کو خوشی خوشی برداشت کریں اور ان کی کسی بات سے اکتا کر جواب میں اُف تک نہ کہیں اور نہ کسی بات کا جھڑک کر جواب دیں۔

اولاد اپنے بچپن کے دور کو یاد کرے کہ ناسمجھی میں وہ کس طرح غیر ضروری سوالات اور بے معنی باتوں سے والدین کو پریشان کرتی تھی لیکن ماں باپ خندہ پیشانی سے ان کی باتوں کو سنتے، خوش ہوتے، محبت بھرے لہجے میں جواب دیتے اور کبھی نہ اکتاتے تھے۔

☆ تیسری بات، والدین کے ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اولاد ان سے گفتگو کرے تو ان کے مرتبے اور مقام کا خیال رکھے۔ عمر کے آخری حصے میں جب قویٰ بے کار ہو جاتے ہیں تو بالکل فطری طور پر بوڑھے ماں باپ اپنا مقام برقرار رکھنے اور اپنی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں، اپنی رائے پر بے جا اصرار کرتے ہیں، بار بار خفا ہوتے ہیں۔ طرح طرح سے اپنی ناراضی کا

اظہار کرتے ہیں۔ ان مواقع پر مسلمان خواتین قرآنی ہدایات کو سامنے رکھیں، خندہ پیشانی سے ان ساری باتوں کو برداشت کریں، اور کسی وقت اکتا کر کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالیں جو ان کے ادب واحترام کے خلاف ہو۔

☆ چوتھی بات، ان کے ساتھ اپنا رویہ ایسا رکھا جائے جس میں عاجزی، انکساری اور نرمی ہو، فرماں برداری کے ساتھ ہر وقت ان کے سامنے جھک کر رہا جائے۔ ان کے ہر حکم کو دھیان سے سنا جائے اور اس کو پورا کر کے راحت محسوس کی جائے۔

ضعیفی کے دور میں جب وہ اولاد کی مدد کے ہر طرح محتاج ہوتے ہیں، ایک فرماں بردار خادم کی طرح ان کی ہر خدمت بجالائی جائے، اور ہر طرح مدد کی جائے، لیکن اپنی کسی بات یا عمل سے اپنی بڑائی یا احسان کا اظہار نہ کیا جائے، بلکہ فرزندانہ آداب بجالا کر فخر محسوس کیا جائے، اور اس خدمت کا موقع پانے پر خدا کا شکر ادا کیا جائے۔

☆ پانچویں بات، والدین کو ضعیفی اور بے کسی کے دور میں پا کر اپنے بچپن کے اس وقت کو یاد کیا جائے جب بچہ انتہائی کمزور، بے بس اور مجبور ہوتا ہے، اس وقت والدین کس شفقت و محبت اور توجہ سے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا کر اور ہر طرح کے دکھ سہہ کر بچے کی پرورش کرتے ہیں، اس کی خوشی سے خوش ہوتے ہیں اور اس کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اس دور کی کیفیات کو یاد کر کے محبت اور حمیت کے جذبات سے بے اختیار بار بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھ جائیں کہ:

پروردگار! جس طرح بچپن میں پیار و محبت کے ساتھ دل و جان سے انھوں نے ہماری پرورش کی، پرودگار! اس ضعیفی اور بے بسی میں تو بھی ان پر رحم فرما، اور ان کی مشکل کو آسان بنا دے۔

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں جو باتیں نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ فرمائی گئی ہیں سنت رسولؐ میں آپ ان کی تشریح اور عملی نمونے پائیں گے۔

والدین کی اہمیت

(۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ؓ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ! مَاحَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِهِمَا قَالَ

ھُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

''حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے رسولؐ اللہ سے پوچھا، یارسولؐ اللہ والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، ماں باپ ہی تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی طرح ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، معاشرتی زندگی میں ان کی جو اہمیت ہے وہ تو ہے ہی، آخرت کی نجات اور کامیابی کے پہلو سے ان کی اہمیت یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی فرماں برداری اور ان کو راضی رکھنے کی کوشش کر کے اولاد جنت میں اپنا گھر بنا سکتی ہے، اور ان کے حقوق کو پامال کر کے ان کی ناراضی کے باعث جہنم کا ایندھن بھی بن سکتا ہے۔

(۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ وَقَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، رِضَا اللّٰهِ فِيْ رِضَا الْوَالِدِ وَ سُخْطُ اللّٰهِ فِيْ سُخْطِ الْوَالِدِ۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم)

''حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔''

والدین کے حقوق سے بے نیاز ہو کر خدا کی خوشنودی سے بے نیاز ہو کر خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ان کو خوش رکھنے والی ہی خدا کو خوش کر سکتی ہے۔ ان کے غصے کو بھڑکانے والی خدا کے غضب سے نہیں بچ سکتی اور جو ان کو ناراض کرے گی وہ اپنے خدا کو بھی ناراض کرے گی۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ، وَ قَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ؟ فَقَالَ هَلْ لَّكَ مِنْ اُمٍّ قَالَ، نَعَمْ، قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا۔ (ابن ماجہ، نسائی)

''حضرت جاہمہؓ کے بیٹے حضرت معاویہؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت جاہمہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسولؐ اللہ! میرا ارادہ ہے کہ میں آپؐ کے ساتھ جہاد میں شرکت کروں، اور اسی لیے آیا ہوں کہ آپؐ سے مشورہ لوں؟ (فرمایئے آپؐ کا کیا حکم ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا تمہاری ماں (زندہ) ہیں؟ جاہمہؓ نے کہا جی ہاں (خدا کا شکر ہے زندہ ہیں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تو پھر جاؤ اور انھی کی خدمت میں لگے رہو،

کیونکہ جنت انھی کے قدموں میں ہے۔"

"جنت ان کے قدموں میں ہے" بڑا ہی بلیغ انداز بیان ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی انتہائی عزت کی جائے اور نہایت عاجزی اور نرمی کے ساتھ ان سے پیش آیا جائے، جی جان سے ان کی خدمت کی جائے اور اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھا جائے۔

اوپر کی حدیث میں باپ کی فرماں برداری کی اہمیت بتائی گئی تھی اور اس حدیث میں ماں کی فرماں برداری اور خدمت کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ یہی حدیث طبرانی میں اس طرح منقول ہے کہ اس میں ماں باپ دونوں کا ذکر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ میرا ارادہ ہے کہ میں جہاد میں شرکت کروں، اور اس کے لیے آپؐ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں (خدا کا شکر ہے دونوں زندہ ہیں) تو آپؐ نے ارشاد فرمایا جاؤ انھی کی خدمت میں لگے رہو، کیونکہ جنت ان دونوں کے قدموں میں ہے۔

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ رَغِمَ اَنْفُهٗ ثُمَّ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ، مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (مسلم)

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، وہ آدمی ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! کون آدمی؟ آپؐ نے فرمایا وہ آدمی جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ دونوں کو پایا یا کسی ایک کو، اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔"

والدین کی خدمت کا دنیوی انعام

والدین کی خدمت اور فرماں برداری کا انعام اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ اسی سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور انھی کی خدمت سے جنت ملتی ہے۔ یہ تو آخرت کا انعام ہے، لیکن اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے انعام اور رحمت سے محروم نہیں رکھتا، جو سچے دل سے والدین کی خدمت کرتے ہیں اور ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار خود ہی اپنے ساتھیوں کو تین آدمیوں کا بڑا ہی دلچسپ قصہ سنایا، آپؐ نے فرمایا، ایک مرتبہ تین آدمی کہیں سفر پر جا رہے تھے، راستے میں سخت بارش نے

انھیں آگھیرا۔ وہ پناہ لینے کے لیے ایک غار میں گھس کر بیٹھ گئے۔ خدا کا کرنا، پہاڑ سے ایک بڑی چٹان لڑھک کر گری اور غار کے منہ پر آپڑی، غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔ تینوں ساتھی بہت گھبرائے، بات بھی گھبرانے کی تھی۔ نہ چٹان کو کھسکانا ان کے بس کی بات تھی اور نہ وہاں کوئی آدمی ہی تھا جس کو اپنی مدد کے لیے بلاتے۔ مایوس بیٹھ گئے اور سمجھے کہ اب تو ہم زندہ ہی دفن ہو گئے اور یہ غار ہی ہماری قبر ہے۔ ایک نے ان میں سے کہا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کے سب سے اچھے کام کا واسطہ دے کر اللہ میاں سے دعا کرے، امید ہے کہ خدا اپنی رحمت سے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے گا۔

ان میں سے ایک مسافر نے کہنا شروع کیا۔ خدایا! میرے ماں باپ بوڑھے تھے، اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں دن بھر بکریاں چراتا تھا، شام کو گھر لوٹتا اور دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا، ان کو پلانے کے بعد اپنے بچوں کو دیتا۔ اتفاق کی بات ایک دن میں دور نکل گیا اور لوٹنے میں کافی دیر ہو گئی۔ رات گئے جب میں گھر پہنچا تو ماں باپ سو چکے تھے۔

میں نے روزانہ کی طرح بکریوں کا دودھ دوہا اور ایک پیالے میں بھر کر ماں باپ کے سرہانے پیالہ لیے کھڑا ہو گیا۔ انتظار کرتا رہا کہ یہ جاگیں تو میں دودھ پیش کروں۔ رات خاصی جا چکی تھی، میرے بچے بھوک سے بے چین تھے۔ بار بار میرے پیروں میں آکر لپٹتے اور رو رو کر دودھ مانگتے، لیکن مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ ماں باپ سے پہلے ان بچوں کو پلاؤں، ماں باپ تو بھوکے سوئیں اور میرے بچے پیٹ بھر کر آرام کریں۔ غرض رات بھر میں اسی طرح پیالہ لیے کھڑا رہا، ماں باپ سوتے رہے اور بچے بھوک سے مچل مچل کر روتے رہے۔ اسی طرح پوری رات بیت گئی۔ الٰہی! اگر میں نے ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک صرف تجھ کو خوش کرنے کے لیے کیا تھا، تو اے اللہ! تو اپنی رحمت سے اس چٹان کو غار کے منہ سے ہٹا دے۔ اس آدمی کا اتنا کہنا تھا کہ چٹان غار کے منہ سے کچھ کھسک گئی اور آسمان صاف نظر آنے لگا۔ پھر دوسرے مسافروں نے اپنے اپنے نیک کاموں کا واسطہ دے کر دعا

کی، اور اللہ میاں نے اپنی رحمت سے غار کا منہ کھول دیا۔

والدین کے ساتھ نیک سلوک

(۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلٰی وَقْتِهَا۔ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ، ثُمَّ اَیٌّ"؟ قَالَ، اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (بخاری، مسلم)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا نیک عمل خدا کے یہاں سب سے زیادہ پیارا ہے، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ نماز جو وقت پر پڑھی جائے، میں نے (پھر) پوچھا اس کے بعد کون سا کام سب سے زیادہ پیارا ہے۔ آپؐ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔''

نماز کی اہمیت اور فضیلت سے کون خاتون ناواقف ہوگی، پھر نماز جیسی اہم عبادت کے ساتھ ساتھ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس نیک عمل کی تاکید فرمائی ہے اس کی دین میں کتنی زبردست اہمیت ہوگی۔ والدین اور اولاد میں تو خونی رشتہ ہے، ان کے درمیان نیک سلوک اور محبت ہونا بالکل ایک فطری بات ہے، ہر بیٹی اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت کرتی ہی ہے، اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے جی جان سے ان کی خدمت کرتی ہے، لیکن پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تاکید کا مطلب یہ ہے کہ یہ رشتہ محض ایک خاندانی اور دنیوی رشتہ ہی نہیں ہے، کہ ہر عورت اپنی سمجھ، اپنی دلی کیفیت اور حالات کے تقاضے کے مطابق جیسا مناسب سمجھے ماں باپ کے ساتھ سلوک کرے۔ بلکہ یہ ایک دینی معاملہ بھی ہے، خدا کے دین اور خدا کی اطاعت کا تقاضا ہے کہ والدین کے ساتھ سلوک کیا جائے۔ خدا اور رسولؐ کا حکم ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ہر طرح انھیں خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر کوئی خاتون ماں باپ کی نافرمان ہے تو خدا اور رسولؐ کی بھی نافرمان ہے۔ وہ صرف ایک خاندانی اور دنیوی جرم ہی نہیں کر رہی ہے بلکہ وہ خدا کے یہاں بھی مجرم ہے، اور اس کوتاہی پر اس سے خدا کے یہاں باز پرس بھی ہوگی۔

(۶) قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَقْبَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ اُبَایِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ اَبْتَغِي الْاَجْرَ مِنَ اللهِ، قَالَ فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ اَحَدٌ حَيٌّ"؟ قَالَ، نَعَمْ، بَلْ كِلَاهُمَا حَيٌّ"، قَالَ: فَتَبْتَغِي الْاَجْرَ مِنَ اللهِ؟ قَالَ، نَعَمْ، قَالَ، فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا ۔ (مسلم)

''حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی پیارے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا میں آپ ﷺ سے ہجرت اور جہاد کے لیے بیعت کرتا ہوں، اور اللہ سے اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے ماں باپ میں سے کوئی ایک زندہ ہیں، اس نے کہا جی ہاں، بلکہ (خدا کا شکر ہے) دونوں زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا واقعی تم اللہ سے اپنی ہجرت اور جہاد کا بدلہ چاہتے ہو؟ اس نے کہا جی ہاں (اللہ سے بدلہ چاہتا ہوں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو جاؤ اپنے ماں باپ کے پاس لوٹ جاؤ اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

ہجرت اور جہاد کی دین میں جو اہمیت ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن اگر ماں باپ بوڑھے ہوں، کمزور ہوں، بیمار ہوں یا اور کسی معذوری کے سبب اولاد کی مدد اور خدمت کے محتاج ہوں تو پھر خدا کی خوشنودی اسی میں ہے کہ اولاد ان کی خدمت میں رہ کر اور ان کو آرام پہنچا کر اجر کی طالب ہو، ایسی بے کسی کی حالت میں اسلام کے نزدیک ماں باپ کی رفاقت اور ان کی خدمت ہجرت اور جہاد جیسے افضل ترین عمل سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ایک آدمی اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر پیارے رسول ﷺ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ اپنے ماں باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان کو اسی طرح خوش کر کے آؤ جس طرح تم ان کو رُلا کر آئے ہو۔'' (ابوداؤد)

اور فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جہاد میں شریک ہونے کی غرض سے حاضر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں (خدا کا شکر ہے زندہ ہیں)، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ ان کی خدمت کرتے رہو، یہی جہاد ہے۔ (مسلم، ابوداؤد)

والدین کا ادب و احترام

(۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَھْلِ الْیَمَنِ ھَاجَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: ھَلْ لَّكَ اَحَدٌ بِالْیَمَنِ! قَالَ، اَبَوَایَ، قَالَ اَذِنَا لَكَ؟ قَالَ، لَا، قَالَ، اِرْجِعْ اِلَیْھِمَا، فَاسْتَاذِنْھُمَا، فَاِنْ اَذِنَا لَكَ فَجَاھِدْ وَاِلَّا فَبِرَّھُمَا۔ (ابوداؤد)

''حضرت ابوسعیدؓ کا بیان ہے کہ ایک یمنی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسولؐ نے اس سے پوچھا، یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے کہا (جی ہاں) میرے ماں باپ ہیں۔ آپؐ نے پوچھا انھوں نے تمہیں اجازت دے دی ہے؟ اس نے کہا نہیں تو، آپؐ نے فرمایا اچھا تو جاؤ واپس جاؤ۔ اور ان دونوں سے اجازت لو، اگر وہ اجازت دے دیں تب تو جہاد میں شرکت کرو ورنہ (ان کی خدمت میں رہ کر) ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے رہو۔''

ایک آدمی میلوں دور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نیک ارادے سے آیا کہ آپؐ کے ساتھ دین کی سربلندی کے لیے کوشش کرے۔ مگر آپؐ نے اس کو محض اس لیے لوٹا دیا کہ وہ والدین سے اجازت لے کر نہیں آیا تھا اور والدین کی اجازت کے بغیر آپؐ نے جہاد جیسے اہم فریضے میں اس کو شرکت کی اجازت نہ دی، اس حدیث پر غور کریں گی تو اندازہ ہوگا کہ دین والدین کی کس قدر عظمت اور کس درجہ ادب واحترام کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی نصیحت

ایک بار حضرت ابوہریرہؓ نے دو آدمیوں کو دیکھا: ان میں سے ایک سے پوچھا یہ تمہارے کون ہیں؟ اس نے کہا حضرت یہ میرے والد محترم ہیں۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو کبھی ان کا نام لے کر نہ پکارنا، نہ کبھی ان کے آگے چلنا اور نہ کسی مجلس میں ان سے پہلے بیٹھنے کی کوشش کرنا۔ (الادب المفرد)

گفتگو میں نرمی کا اجر

حضرت طیلہؒ ابن میاس اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک بار میں فوج کے ساتھ لڑائی پر گیا ہوا تھا۔ وہاں میں کچھ گناہوں میں پھنس گیا۔ میری نظر میں تو وہ گناہ کبیرہ ہی تھے، میں

بہت پریشان ہوا اور میں نے موقع پا کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تذکرہ کیا اور اپنی پریشانی بتائی۔ فرمانے لگے یہ تو بتاؤ ہوا کیا۔ میں نے انھیں صحیح صحیح بات بتادی۔ میری بات سن کر فرمانے لگے یہ تو گناہ کبیرہ نہیں ہیں، گناہ کبیرہ تو صرف 9 ہیں۔ (1) شرک کرنا، (2) ناحق کسی کو قتل کرنا (3) جہاد سے پیٹھ پھیرنا (4) شریف عورت پر تہمت لگانا (5) سود کھانا (6) یتیم کا مال کھانا (7) مسجد میں کفر کی باتیں کرنا (8) دین کا مذاق اڑانا (9) والدین کی نافرمانی کر کے انھیں رُلانا۔ یہ بتانے کے بعد مجھ سے پوچھا کیوں بھئی کیا تم چاہتے ہو کہ جہنم سے دور رہو اور جنت میں جاؤ۔ میں نے کہا حضرت کیوں نہیں، میں یہی چاہتا ہوں، حضرت نے مجھ سے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں امی جان زندہ ہیں، فرمانے لگے۔ خدا کی قسم اگر تم اپنی ماں سے نرمی اور ادب کے ساتھ بات کرو، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھو تو جنت میں ضرور جاؤ گے۔ بس کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو۔

والدین کا بدلہ

(۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یَجْزِیْ وَلَدٌ وَالِدَهٗ اِلَّا اَنْ یَّجِدَهٗ مَمْلُوْکًا فَیَشْتَرِیَهٗ فَیَعْتِقَهٗ۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین (کی شفقت، محبت، پرورش اور مشقتوں) کا بدلہ اگر اولاد کی جانب سے کچھ ہوسکتا ہے تو یہ کہ اگر وہ باپ کو کسی کا غلام پائے یا ماں کو لونڈی پائے تو انھیں خرید کر آزاد کردے۔“

حضرت ابوبردہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک یمنی آدمی کو دیکھا کہ اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر بٹھائے خانہ کعبہ کا طواف کررہا ہے اور بڑے جذبے سے یہ شعر پڑھتا جاتا ہے ۔

میں ان کے اشاروں پر چلنے والا سواری کا اونٹ ہوں
جب ان کی سواریاں ڈر کر بھاگتی ہیں تو میں نہیں بھاگتا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس نے پوچھا: کہیے اب تو میں نے ماں کا بدلہ دے دیا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا ماں کا بدلہ! یہ تو اس کی ایک آہ کا بدلہ بھی نہیں ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنی ماں کے ساتھ برتاؤ

ایک مرتبہ مروانؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو کچھ دنوں کے لیے اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس وقت وہ ذوالحلیفہ میں تھے، ان کی والدہ ایک دوسرے گھر میں کچھ دوری پر تھیں، جب بھی وہ گھر سے باہر جانے کا ارادہ کرتے، پہلے آ کر ماں کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور کہتے پیاری امی جان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امی جان اندر سے کہتیں، پیارے بیٹے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پھر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے امی جان اللہ تم پر رحم فرمائے جیسا کہ بچپن میں محبت و رحمت کے ساتھ آپ نے میری پرورش فرمائی ہے، وہ جواب میں کہتیں، پیارے بیٹے! اللہ تم پر رحم فرمائے جیسا کہ اس بڑھاپے میں تم نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے اور آرام پہنچایا ہے۔

پھر جب باہر سے آتے اور گھر میں داخل ہونے لگتے تو اسی طرح والدہ کو سلام کرتے اور یہی کہتے۔

اطاعتِ والدین کا درجۂ کمال

(۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَصْبَحَ مُطِیْعًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا وَمَنْ اَمْسٰی عَاصِیًا لِلّٰہِ فِیْ وَالِدَیْہِ اَصْبَحَ لَہٗ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ مِنَ النَّارِ وَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدًا قَالَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَلَمَاہُ وَاِنْ ظَلَمَاہُ وَاِنْ ظَلَمَاہُ (مشکوٰۃ)

’’حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا، جس آدمی نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے بارے میں اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام اور ہدایتوں کی فرمانبرداری کرنے والا تھا اس نے گویا ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہو تو گویا جنت کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے، اور جس آدمی نے اس حال میں صبح کی کہ وہ ماں باپ کے بارے میں اللہ کے احکام و ہدایت سے منہ موڑنے والا ہے تو اس نے ایسے حال میں صبح کی کہ اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہو تو گویا دوزخ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس آدمی نے پوچھا: اے اللہ

کے رسولؐ! اگر ماں باپ اس کے ساتھ زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، فرمایا ہاں، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی، اگر زیادتی کر رہے ہوں تب بھی۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے لیے ایسا انداز بیان اختیار فرمایا ہے جس سے ایک مومن خاتون کے سامنے یہ حقیقت بھی کھل کر آجاتی ہے کہ اطاعت تو بس اللہ ہی کی ہونی چاہیے، اس کے سوا کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ ماں باپ کی اطاعت اور ان کے ساتھ نیک سلوک بھی اسی لیے ہے کہ خدا نے ماں باپ کا یہ حق بتایا ہے اور ان کی فرماں برداری اور خدمت کا حکم دیا ہے، مومن خاتون کسی ایسے معاملے میں ہرگز ماں باپ کی اطاعت نہیں کرتی جس میں خدا کی نافرمانی ہوتی ہو۔

ماں باپ کی زیادتی کے باوجود حسن سلوک کی تاکید کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماں باپ اپنی سخت مزاجی یا تنگ مزاجی سے ایسے مطالبات کرنے لگیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لیے دشوار ہو، یا اولاد کی قوت برداشت کا خیال کیے بغیر زیادہ سے زیادہ جسمانی محنت لینے لگیں یا اولاد کی حیثیت سے زیادہ مالی مطالبات کرنے لگیں، تب بھی اولاد کو چاہیے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھ کر، اپنے اوپر جبر کر کے ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرتی رہے۔ اس صورت میں اگرچہ اولاد پر اطاعت واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا لیکن اطاعت والدین کا درجہ کمال بہرحال یہی ہے کہ اولاد اپنی پروا کیے بغیر ماں باپ کی خدمت میں اپنی زندگی کھپا دے اور انھیں راضی رکھنے اور آرام پہنچانے کے لیے اپنا سب کچھ تج دے۔

ہاں اگر وہ کوئی ایسا مطالبہ کریں جس سے کسی دوسرے کا حق مارا جاتا ہو، یا جس کا کوئی ناگوار اثر دوسروں پر پڑتا ہو، یا خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ایسی صورت میں ہرگز اطاعت نہ کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر کسی کا مالی حق ادا کرنے سے روکتے ہوں یا اپنی کسی ذاتی پرخاش یا ضد میں لڑکی کو ایسے شوہر سے بلاوجہ علیحدہ ہونے پر مجبور کرتے ہوں جو بیوی کے شرعی حقوق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا، یا ایسے شوہر کی خدمت واطاعت سے روکتے ہوں، تو ان کی اطاعت ہرگز واجب نہیں، کیونکہ دوسرے کا مالی حق ادا کرنا اولین

فرض ہے اور اس میں کوتاہی بدترین گناہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ اسی وقت معاف کرے گا جب وہ شخص معاف کردے جس کا حق ہے۔

رہا شوہر کی خدمت و اطاعت یا اس سے تعلق برقرار رکھنے والے کا مسئلہ تو اس سلسلے میں بھی یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہیے کہ رشتۂ نکاح کا قیام، زوجین کی باہمی محبت اور ان کے خوشگوار تعلقات، خدا کی نظر میں انتہائی پسندیدہ اعمال ہیں اور اسلام ہر قیمت پر انھیں باقی رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔

بلاشبہ والدین کی اطاعت فرض ہے، لیکن یہ اطاعت خدا کی اطاعت کے تحت ہے نہ کہ اس سے آزاد۔ دین کی ہدایات، احکام، تقاضوں اور مصلحتوں سے ہٹ کر ماں باپ کی اطاعت خدا کی فرماں برداری نہیں بلکہ نافرمانی ہے اور ایسی اطاعت پر ایک مومنہ کو ثواب کی امید رکھنے کے بجائے سزا کا خوف ہونا چاہیے۔

اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ ''اگر ایک کی اطاعت ہو رہی ہے تو جنت کا ایک دروازہ کھلا ہے'' تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ماں باپ میں سے کسی ایک کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کی اطاعت و خدمت کا موقع نہیں رہا ہے، تو ایسی اولاد کے لیے بس ایک ہی دروازہ کھلا ہوا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ماں باپ میں سے کسی ایک ہی کی اطاعت کر رہی ہیں اور ایک کو آپ نے ناخوش کر رکھا ہے، تو ایک کی فرماں برداری سے آپ کے لیے جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور دوسرے کی نافرمانی سے دوزخ کا۔ رہی یہ صورت کہ دونوں میں سے ایک دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور آپ زندگی میں مرحوم کی اطاعت کرتی رہی ہیں تو ان کی اطاعت و فرماں برداری کے صلے میں کھلا ہوا دروازہ کھلا ہی رہے گا، بند نہ کیا جائے گا۔

حدیث میں تنبیہ دراصل اس بات پر کی گئی ہے کہ اگر آپ ایک کی اطاعت کر رہی ہیں اور ایک کو آپ نے اپنے عمل سے ناخوش رکھا ہے تو آپ کا یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے، ایک کی اطاعت کی وجہ سے خدا نے آپ کے لیے جنت کا دروازہ کھول رکھا ہے لیکن دوسرے کی نافرمانی کی وجہ سے آپ نے جہنم کا دروازہ بھی کھلوا رکھا ہے، ایک کی اطاعت کر کے

دوسرے کی خدمت واطاعت سے بےفکر ہونا ایک مومن خاتون کا طرزِ فکر نہیں ہوسکتا۔ وہ دونوں کی خدمت واطاعت بجالا کر خدا کی خوشنودی چاہتی ہے۔

اطاعتِ والدین سے انکار

معاشرتی زندگی میں حقوق والدین کی اہمیت اور ان کی اطاعت وشکر گزاری کی انتہائی تاکید کے باوجود بعض اوقات ایسی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں جہاں آپ ان کی اطاعت سے انکار کرسکتی ہیں اور ان کا کہنا ٹال کر ہی شریعت کا منشاء پورا کرسکتی ہیں۔ اسلام میں اطاعت صرف خدا کا حق ہے، خدا کے سوا آپ دوسروں کی اطاعت اسی وقت کرسکتی ہیں جب ان کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہو، اور انھی کاموں میں اطاعت کرسکتی ہیں جو جائز ہوں۔ خدا کی نافرمانی کر کے کسی کی اطاعت کریں گی تو گنہگار ہوں گی اور آپ کی یہ اطاعت خدا کی نافرمانی ہوگی۔ خدا کی اطاعت میں والدین کی فرماں برداری جس طرح خدا کی خوشنودی کا سبب ہے اسی طرح خدا کی نافرمانی میں ان کی فرماں برداری خدا کی ناخوشی کا سبب ہے۔

ماں باپ کے حقوق کے سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک حدیث بہت مشہور ہے، یہ حدیث معاشرتی زندگی کے ایک انتہائی نازک اور سنجیدہ مسئلے سے متعلق ہے، اور بعض اوقات اس کے ظاہری الفاظ سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح صحیح منشا خوب سمجھ لیں اور غلط فہمی میں کبھی کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھیں جو خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کا باعث ہو، حدیث یہ ہے:

(۱۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا، طَلِّقْهَا، فَأَبَيْتُ فَاَتٰى عُمَرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَالِكَ لَهٗ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلِّقْهَا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میری ایک بیوی تھی جسے میں بہت چاہتا تھا اور حضرت عمرؓ اسے ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے مجھ سے کہا، اس کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپؐ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، عبداللہ طلاق دے دو۔''

یہ حدیث آپ سے یہ پرزور مطالبہ تو ضرور کرتی ہے کہ آپ والدین کی کامل اطاعت کرتی رہیں اور نافرمانی کا خیال تک دل میں نہ لائیں، لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ والدین کی اطاعت ہر شرط اور پابندی سے بالکل آزاد ہے، صحیح نہیں ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ والدین کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ جب چاہیں لڑکے کو حکم دے دیں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے، چاہے اس کی بیوی نیک اور فرماں بردار ہی کیوں نہ ہو اور جب چاہیں لڑکی کو یہ حکم دے دیں کہ وہ اپنے شوہر سے قطع تعلق کر لے جبکہ اس کے لیے ماں باپ کے حکم کے سوا کوئی شرعی وجہ بھی نہ ہو۔

یہ ایک زبردست غلط فہمی ہے، جس سے شریعت کا مزاج ہرگز میل نہیں کھاتا اور شریعت کی اصولی تعلیم سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے، کسی حدیث کو سمجھنے کے لیے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح صحیح منشاء معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن وسنت کی اصولی تعلیم اور دین کے مجموعی مزاج کی روشنی میں اس کو سمجھیں اور وہی مفہوم لیں جو قرآن و سنت کی واضح تصریحات کے مطابق ہو اور دین کی اصولی تعلیم سے ہم آہنگ ہو۔

یہ واقعہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کا ہے جو دین کی روح کو پوری طرح جذب کیے ہوئے تھے، جن کی آنکھوں نے مجسم دین چلتا پھرتا دیکھا تھا۔ جو دین کے مزاج سے پوری طرح واقف تھے، جو اس حقیقت کو بھی جانتے تھے کہ زوجین کا خوشگوار تعلق نفل عبادت سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اسلام ہر قیمت پر اس کو برقرار رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور صرف اس صورت میں اس پاکیزہ تعلق کو ختم کرنے کی اجازت دیتا ہے جب کہ واقعی اس کے باقی رہنے سے عظیم تر دینی اور معاشرتی فتنوں کے سر اٹھانے کا اندیشہ ہو، وہ اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ اس تعلق کے ٹوٹنے سے صرف وہ شیطان ہی خوش ہوتا ہے جس پر ہمیشہ کے لیے خدا کی لعنت ہے، ان کو اپنی بہو سے نفرت تھی اور یہ اس کو اپنے بیٹے کے نکاح میں دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔

غور کیجیے، حضرت عمرؓ جیسے دین کے مزاج شناس اپنی بہو کو کیوں ناپسند کرتے تھے۔ کیا یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ انھیں بہو سے کوئی ذاتی رنجش تھی اور انھوں نے کسی دنیوی غرض

سے اپنی بہو کو شوہر کی سرپرستی سے محروم کرنا چاہا، بہو کی کسی نافرمانی پر انھیں ضد ہو گئی کہ اب تو طلاق دلوا کر ہی دم لوں گا۔ کیا کوئی صحابہؓ کے ایمان وتقویٰ سے واقف خاتون حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے بارے میں یہ باتیں بھی سوچ سکتی ہے؟...... وہ حضرت عمرؓ جو دین پر اپنا سب کچھ نثار کر چکے تھے، جو اپنی تمام خواہشوں، محبتوں اور عداوتوں سے دین کی خاطر دست بردار ہو چکے تھے۔

دن کے سورج سے زیادہ یہ حقیقت روشن ہے کہ یقیناً ان کے سامنے کوئی عظیم دینی مقصد تھا اور کسی دینی، اخلاقی اور معاشرتی مصلحت کی بنیاد پر ہی وہ بیٹے سے طلاق کے لیے اصرار کر رہے تھے، نہ یہ حق جتانے کے لیے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور ایک باپ ہونے کی حیثیت سے میں بلا وجہ بھی تم سے طلاق دلوا سکتا ہوں اور تمہارا قصور ہو یا نہ ہو تم کو چار و ناچار میری اطاعت کرنی پڑے گی۔

پھر حضرت عبداللہؓ خود ایک صالح نوجوان تھے، دین کی حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے، سنتِ رسولؐ کے دل وجان سے پابند تھے، ان کا ذہن وفکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت میں پروان چڑھا تھا۔ ماں باپ کے حقوق اور اطاعت کی اہمیت سے پوری طرح باخبر تھے اور ان کے بارے میں کوئی یہ تصور نہیں کر سکتی کہ وہ ماں باپ کے نافرمان بھی ہو سکتے ہیں۔ ان سے جب حضرت عمرؓ نے طلاق کا مطالبہ کیا تھا، انھوں نے صاف انکار کر دیا اور اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ تم اطاعت سے انکار کر کے والد کی نافرمانی کر رہے ہو، بلکہ اپنا کیس رسولؐ خدا کے دربار میں پیش کیا جس دربار سے بار بار مختلف انداز میں یہ فرمان صادر ہوئے کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان سے کیے ہوئے عہد رفاقت زندگی بھر نبھاتے رہو چاہے تمھیں کچھ تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاملے کی نوعیت پر غور فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرماتے ہوئے حضرت عبداللہؓ کو طلاق کا حکم دیا۔

جب آپ دین کے مزاج اور قرآن وسنت کی روشنی میں اس حدیث پر غور کریں گی تو اسی نتیجے پر پہنچیں گی کہ حدیث کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے اور یہی ہے، دین کا مزاج بھی اسی کا

تقاضا کرتا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیم بھی یہی کہتی ہے، یہ نِری سطحیت ہے کہ دین کی واضح اور محکم ہدایات سے صرفِ نظر کر کے صرف اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے ماں باپ کو یہ حق دے دیا جائے کہ کوئی جائز مصلحت ہو یا نہ ہو وہ بیٹے کو حکم دے کر طلاق دلوا سکتے ہیں اور بیٹی کو حکم دے کر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ شوہر سے خلع کر لے۔

ماں باپ کی اطاعت اگر اسی طرح ہر پابندی سے آزاد ہو تو ساس بہو کی آئے دن کی کشمکش میں روزانہ سینکڑوں گھر بگڑیں گے اور سینکڑوں بے قصور عورتیں اور مرد زندگی کی راحتوں سے محروم ہوں گے۔

خدا کی شریعت اس لیے نہیں ہے کہ اس کے ذریعے اپنی خواہشات پوری کی جائیں اور اسے اپنی دشمنی، غصے اور ذاتی اغراض کے لیے استعمال کیا جائے اور ماں باپ جب چاہیں اس کا سہارا لے کر کسی بے قصور خاتون کو شوہر کی محبت و سرپرستی سے محروم کر دیں اور کسی بے قصور نوجوان کو نیک بیوی کی رفاقت ومحبت سے دست بردار ہونے پر مجبور کریں۔

اولاد سے ایسی اطاعت کا مطالبہ اور وہ بھی کسی معقول وجہ کے بغیر انتہائی بے رحمی اور سخت دلی ہے اور انصاف یہی ہے کہ دین اولاد سے اس قسم کی اطاعت کا مطالبہ ہرگز نہیں کرتا۔ ملا علی قاریؒ نے تو اس پر بحث کرتے ہوئے صاف صاف یہ مثال دی ہے کہ اگر ماں باپ لڑکے کو حکم دے دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو لڑکے پر اس حکم کی تعمیل کرنا واجب نہیں ہے۔ حضرت عزالدین شافعیؒ جو مشہور محدث اور فقیہہ ہیں فرماتے ہیں کہ والدین کی اطاعت اولاد پر ان تمام ہی معاملات میں واجب نہیں ہے جن کا وہ حکم دیں یا جن سے منع کریں۔

ماں باپ کی اطاعت اور شکر گزاری کی دین میں جو اہمیت ہے اس سے کون انکار کر سکتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہر جائز و ناجائز معاملے میں ان کی اطاعت واجب ہے، طلاق یا خلع کا مسئلہ انتہائی نازک اور دُوررَس ہے، اس کے اثرات صرف اسی شخص پر نہیں پڑتے جس نے طلاق دی ہے یا خلع لیا ہے بلکہ اس کے ناگوار اثرات کی لپیٹ میں بہت سے بے قصور بھی آجاتے ہیں جنھیں زندگی بھر اس کی تلخیاں بھگتنی

پڑتی ہیں۔

یہ تمام گفتگو صرف اسی صورت میں ہے جب ماں باپ کسی شرعی مصلحت اور معقول وجہ کے بغیر طلاق یا خلع کے لیے مجبور کریں اور اگر آپ یہ محسوس کرتی ہوں کہ ماں باپ کا حکم کسی ذاتی رنجش، ضد یا دنیوی غرض کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کسی دنیوی یا معاشرتی مصلحت کی بنا پر ہے تو آپ ہرگز ان کی اطاعت سے انکار نہیں کر سکتیں اور آپ کا فرض ہے کہ دل و جان سے ان کے حکم کی تعمیل کریں۔ آپ کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اپنی محبت اور ذاتی رجحان کو ان کی اطاعت پر ترجیح دیں اور اپنی محبت کا عذر پیش کریں۔ ان کے اہم حقوق اور اطاعت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اپنی محبت، رجحان اور ذاتی پسند کو ان کی فرماں برداری پر قربان کر دیں اور ان کو خوش کرنے پر اپنی خوشی محسوس کریں۔

حضرت ابوالدرداؓ کا مشورہ

اسی مفہوم کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے، ''ایک آدمی حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرے ابا نے بڑے اصرار سے میری شادی کرائی اور اب مجھے حکم دے رہے ہیں کہ بیوی کو طلاق دے دو؟ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا ''بھئی!'' نہ تو میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کرو اور نہ ہی یہ کہتا ہوں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو یہ بات بتا دیتا ہوں جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ''باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے، پس تم چاہو تو اسے اپنے لیے محفوظ کر لو اور چاہو تو نظر انداز کر دو۔'' (ابن حبان)

اس حدیث میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ پوچھنے والے نے صاف صاف آکر یہ کہا کہ میرے والد مجھے طلاق کا حکم دے رہے ہیں لیکن حضرت ابوالدرداؓ نے دوٹوک انداز میں اس کو یہ جواب نہیں دیا کہ والد کہہ رہے ہیں تو دے دو طلاق کیونکہ ان کی اطاعت واجب ہے، بلکہ فرمایا نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ تم والدین کی نافرمانی کرو۔ اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ اگر اس معاملے میں قطعی طور پر اطاعت واجب ہوتی تو

حضرت ابوالدرداؓ صاف صاف کہتے طلاق دے دو اور ماں باپ کی فرماں برداری کرو۔

حضرت ابوالدرداؓ نے نہایت حکمت کے ساتھ رسول خدا ﷺ کا فرمان سنایا اور پوچھنے والے کو آمادہ کیا کہ وہ معاملے پر خود غور کرے، البتہ اس بات کا خیال رکھے کہ والدین پر زیادتی نہ ہونے پائے کیونکہ ان کی اطاعت جنت کا ذریعہ ہے۔

والدین کی وفات کے بعد سلوک کی صورتیں

(۱۱) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَلَمَۃَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ بَقِیَ مِنْ بِرِّ اَبَوَیَّ شَیْءٌ اَبَرُّھُمَا بِہٖ بَعْدَ مَوْتِہِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْہِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَھُمَا وَاِنْفَاذُ عَھْدِھِمَا مِنْ بَعْدِھِمَا وَصِلَۃُ الرَّحِمِ الَّتِیْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِھِمَا وَاِکْرَامُ صَدِیْقِھِمَا (ابوداؤد)

''ابواسیدؓ کہتے ہیں کہ: ہم حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ بنوسلمہ کا ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ! کیا ماں باپ کے وفات پا جانے کے بعد ان کا کوئی حق باقی رہتا ہے جسے میں ادا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! ان کے لیے دعا و استغفار کرو، اور جو (جائز) وصیت وہ کر گئے ہیں، اسے پورا کرو، اور والدین سے جن لوگوں کا رشتہ داری کا تعلق ہے، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اور باپ کے دوست اور ماں کی سہیلیوں کی عزت اور خاطر داری کرو۔''

ماں باپ نے بچے کی پرورش اور تربیت میں جو زحمتیں اٹھائی ہیں اور شب و روز خدمت کی ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ ایک باندی کی طرح عمر بھر بھی ان کی خدمت کرتی رہیں تب بھی ان کی خدمت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مومنہ زندگی بھر ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتی ہے لیکن جب ماں باپ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو وہ یہی سوچتی ہے کہ ہائے میں کچھ نہ کرسکی اور چاہتی ہے کہ کچھ ایسی صورتیں پیدا ہوتیں کہ میں ان کی وفات کے بعد بھی ان کی روح کو خوش کرسکتی اور اپنے جذبات کی تسکین کا سامان کرسکتی۔ یہی مومنانہ جذبات سوال کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے پیش کیے اور آپؐ نے فرمایا تم ان کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ سلوک کرسکتے ہو اور سلوک کی چار صورتیں بیان فرمائیں:

دعاواستغفار

نمازوں کے بعد اور دوسرے موقعوں پر پروردگار سے رو رو کر دعا کیجئے کہ خدایا میرے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ان کے گناہوں کو ڈھانپ لے اور انھیں وہ کچھ دے جو تو اپنے نیک بندوں اور بندیوں کو دیتا ہے۔خدایا جب ہم ان کی مدد،شفقت اور پرورش کے محتاج تھے تو انھوں نے اپنا سب کچھ ہم پر قربان کر دیا۔ اپنا دن کا عیش اور رات کا آرام ہمارے لیے تج دیا۔ پروردگار اب وہ تیرے حضور میں ہیں اور اس سے کہیں زیادہ وہ تیری رحمت اور نظر کرم کے محتاج ہیں جتنے کہ بچپن کی بے بسی میں ہم ان کے محتاج تھے، پروردگار تو انھیں اپنی رحمت کے سائے میں لے لے اور اپنی رضا کے گھر جنت میں ان کا ٹھکانہ بنا دے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد جب میت کے درجات بلند ہوتے ہیں تو وہ حیرت سے پوچھتا ہے، یہ کیونکر ہوا۔اللہ کی جانب سے اسے بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتی رہی (اور اللہ نے اسے قبول فرمالیا)۔حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کی مہلت ختم ہو جاتی ہے،صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو اسے مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ایک صدقہ جاریہ،دوسرے اس کا (پھیلایا ہوا وہ) علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں،تیسرے وہ صالح اولاد جو اس کے لیے استغفار کرے۔

حضرت ابن سیرینؒ مشہور تابعی بزرگ ہیں۔اپنا ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ حضرت ابوہریرہؓ کی خدمت میں موجود تھے،آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عاجزی کے ساتھ فرمایا: اے میرے پروردگار ابوہریرہ کی مغفرت فرما اور اے پروردگار ابوہریرہ کی ماں کی مغفرت فرما اور اے پروردگار ان سب کی مغفرت فرما جو ابوہریرہ اور اس کی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ہم برابر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں تاکہ ہم ابوہریرہؓ کی دعا میں شامل رہیں۔

والدین کے عہد و وصیت کو پورا کرنا

ماں باپ نے اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں سے عہد و پیمان کیے ہوں گے، مختلف معاملات میں کچھ وعدے کیے ہوں گے، مرتے وقت کچھ وصیتیں کی ہوں گی۔

اولاد کے لیے والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ شکل باقی ہے کہ وہ ان کے کیے ہوئے وعدوں اور وصیتوں کو پورا کریں، ان کے کیے ہوئے عہد و پیمان کو نبھائیں اور اس طرح ان کی روح کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔ البتہ اس بات کا خیال ضرور رکھئے کہ آپ صرف انھی وصیتوں کو پورا کریں جو جائز ہوں اور گر آپ ان کی ناجائز وصیتوں کو بھی پورا کریں گی تو یہ ان کے ساتھ نیکی نہیں برائی ہوگی۔

ماں باپ نے اگر کسی سے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے، یا وہ کسی کو کچھ ہبہ کرنا چاہتے تھے اور زندگی میں اس کا موقع نہ پا سکے، یا انھوں نے کوئی نذر مانی تھی اور نذر پوری کرنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو چکے یا ان پر کسی کا قرضہ تھا، یا وصیت کرنے کا انھیں موقع نہ ملا اور آپ سمجھتی ہیں کہ اگر انھیں موقع ملتا تو وہ ضرور یہ اور یہ وصیت کرتے، یا انھوں نے کوئی وصیت نہیں کی اور آپ ان کی طرف سے صدقہ کریں تو یہ سب صورتیں ان کے ساتھ نیک سلوک کی ہیں، اور اس طرح ان کی وفات کے بعد بھی آپ زندگی بھر ان کے ساتھ نیک سلوک کر کے اپنے خدا کو خوش کر سکتی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسولؐ اللہ! میری والدہ وفات پا چکی ہیں اور انھوں نے کوئی وصیت نہیں کی ہے، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو ان سے ان کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں کیوں نہیں۔

انھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت سعد ابن عبادہؓ نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میری والدہ نے نذر مانی تھی لیکن وہ نذر پوری کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں، کیا میں ان کی طرف سے یہ نذر پوری کر سکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کیوں نہیں، تم ان کی طرف سے نذر پوری کر دو۔''

ماں کی سہیلیوں اور باپ کے دوستوں کے ساتھ سلوک

والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ سلوک کی تیسری شکل یہ ہے کہ ماں کی سہیلیوں اور باپ کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ معاشرتی معاملات میں اپنے بزرگوں کی طرح ان کا لحاظ رکھا جائے، ان کی رائے کا احترام کیا جائے، ان کی تعظیم کی جائے، ان کو اپنے مشوروں میں شریک رکھا جائے اور ہر موقع پر ان کے ادب و احترام کا خیال رکھا جائے، ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے۔

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے زیادہ حسنِ سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوست احباب کے ساتھ بھلائی کرے۔''

صحابہ کرامؓ کا عمل

☆ ایک بار حضرت ابوالدرداءؓ بیمار ہوئے اور مرض بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ بچنے کی امید نہیں رہی تو حضرت یوسف ابن عبداللہؓ دور دراز سے سفر کر کے ان کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے انھیں دیکھا تو تعجب سے پوچھا تم یہاں کیسے؟ یوسف ابن عبداللہؓ نے کہا: حضرت میں یہاں محض اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی عیادت کروں، کیونکہ والد بزرگوار اور آپ کے تعلقات بڑے گہرے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ایک بار سفر میں تھے کہ مکہ کے راستے میں ایک بدو سے ملاقات ہوگئی، بدو نے غور سے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے بیٹے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا جی ہاں میں انھی کا بیٹا ہوں اور اپنے سر سے اپنی پگڑی اتار کر اس کو دے دی اور اپنے گدھے پر عزت کے ساتھ بٹھایا۔ حضرت ابن دینارؒ کہتے ہیں کہ ہم سب ساتھی حیرت سے یہ سب دیکھتے رہے اور بعد میں پوچھا۔ حضرت یہ تو بدو لوگ ہیں، آپ دو درہم دے دیتے تو وہ بھی ان کو خوش کرنے کے لیے بہت تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی ان کے باپ حضرت عمرؓ کے دوست تھے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اپنے باپ کی

دوستی کو نباہو اسے ختم نہ ہونے دو ورنہ خدا تعالیٰ تمہارا نور بجھا دے گا۔

☆ حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینے آیا تو میرے پاس حضرت عبداللہ ابن عمرؓ تشریف لائے اور کہنے لگے: ابو بردہؓ! تمہیں معلوم ہے میں تمہارے پاس کیوں آیا؟ ابو بردہؓ نے کہا کہ حضرت مجھے تو نہیں معلوم، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص قبر میں اپنے باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ باپ کے مرنے کے بعد باپ کے دوست احباب کے ساتھ نیک سلوک کرے اور پھر فرمایا بھائی میرے باپ حضرت عمرؓ اور آپ کے والد میں بھائی چارہ اور دوستی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اس دوستی کو نباہوں اور اس کے حقوق ادا کروں۔ (ابن حبان)

وفات والدین کے بعد سلوک کی چوتھی شکل یہ ہے کہ ان رشتے داروں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے جو ماں باپ کے واسطے سے رشتے دار قرار پاتے ہیں، ننھیال کے رشتہ دار جیسے خالہ، ماموں، نانی، نانا وغیرہ اور ددھیال کے رشتے دار جیسے چچا، پھوپھی، دادا، دادی وغیرہ۔ ان رشتے داروں سے بے نیازی اور بے پروائی دراصل والدین سے بے نیازی ہے، اور ایک مومنہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بے نیازی کا سلوک کبھی نہیں کر سکتی۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد سے بے نیازی ہرگز نہ برتو، ماں باپ سے بے پروائی کرنا خدا کی ناشکری ہے۔

ماں باپ کے لیے دعا و استغفار کا اجر

(۱۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی بندۂ خدا زندگی بھر ماں باپ کا نافرمان رہا اور اس کے ماں باپ کا انتقال ہو گیا یا دونوں میں سے ایک کا انتقال ہو گیا تو اب اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ماں باپ کے لیے برابر دعا کرتا رہے، ان کے لیے استغفار کرتا رہے، یہاں تک کہ خدا اپنی رحمت سے اس کو نیک لوگوں میں لکھ دے۔

ہونا تو یہی چاہیے کہ آپ زندگی بھر ماں باپ کی اطاعت کرتی رہیں، ان کے ساتھ نیک سلوک کرتی رہیں اور انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی رہیں۔ لیکن آپ کی تمام کوششوں کے باوجود اگر وہ آپ سے راضی نہ رہ سکیں اور ناخوش ہی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں تو اب بھی اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی تلافی ہو سکتی ہے، وہ اس طرح کہ آپ ان کے لیے برابر دعائے مغفرت فرماتی رہیں، اس دعا و استغفار کے نتیجے میں توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی غلطی سے درگزر فرمائے اور آپ کو اپنے نیک بندوں میں شمار فرمائے۔ خدا کے فضل و کرم سے کسی مومن کو کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ بندے کے دل میں جب بھی توبہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ بڑھ کر اسے قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ان جذبات کو بڑھانے اور زندگی پر اثر انداز ہونے کے مواقع فراہم فرما دیتا ہے۔ لیکن اس حدیث سے یہ غلط سہارا لینا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ آپ کے والدین زندہ ہیں اور آپ یہ سوچتے ہوئے نافرمانی کیے جا رہی ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کے لیے دعا و استغفار کر کے خدا کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کر لیں گی۔ صحیح بات یہی ہے کہ آپ زندگی میں ان کی خدمت بجالا کر اور ان کو خوش رکھ کر اپنے خدا کو خوش کریں۔

والدین کی طرف محبت کی ایک نگاہ

(۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَامِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْہِ نَظْرَۃَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَّبْرُوْرَۃً قَالُوْا اِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَالَ نَعَمْ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَاَطْیَبُ۔ (مسلم)

''حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو نیک اولاد بھی ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے اس کے بدلے خدا اس کو ایک حج مقبول کا ثواب بخشتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسولؐ! اگر کوئی ایک دن میں سو بار اسی طرح رحمت و محبت کی نظر ڈالے۔ آپؐ نے فرمایا جی ہاں، اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی۔ اللہ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا ہے اور بالکل پاک ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت و بخشش کی وسعتوں کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا۔

تمہاری نظر میں تو ایک نظر محبت کے بدلے ایک حج کا اجرِ عظیم بے حد وحساب ہے، لیکن خدا کی رحمت اتنی وسیع ہے اور وہ اپنی بخشش و کرم میں اتنا بڑا ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے، اور اگر کوئی اولاد دن بھر میں سو بار ماں باپ کو نظرِ رحمت ومحبت سے دیکھے تو وہ سو حج کا ثواب بھی دے سکتا ہے، تم خدا کے بارے میں جو کچھ سوچتے ہو یا سوچ سکتے ہو وہ اس سے بھی زیادہ بڑا اور بلند ہے۔

انسان اپنی وسعتوں کو سامنے رکھ کر سوچتا ہے تو اسے یہ اجرِ عظیم ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور وہ بدگمانی کا شکار ہونے لگتا ہے، لیکن خدا کے بارے میں یہ بدگمانی ہرگز صحیح نہیں ہے۔ وہ ہر بدگمانی سے پاک ہے، وہ عزیز وکریم اتنا کچھ دے سکتا ہے کہ انسان کا تصور بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

والدین کی مالی امداد

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ البقرہ 2:215

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ جواب دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اس کے اول حقدار والدین ہیں...... ''

قرآن وسنت میں جس طرح ماں باپ کی خدمت، اطاعت اور سلوک کی تاکید کی گئی اسی طرح یہ تاکید بھی ہے کہ اپنا مال بھی ان سے بچا بچا کر نہ رکھا جائے بلکہ سب سے پہلے انھی پر خرچ کیا جائے اور اگر وہ ضرورت مند ہوں تب تو وہ زبردستی بھی آپ سے لے سکتے ہیں۔ اگر کوئی خاتون ماں باپ کی خدمت واطاعت میں تو کوئی کوتاہی نہیں کرتی، لیکن اپنا مال بچا بچا کر رکھتی ہے، تو یہ صحیح طرزِ فکر نہیں ہے۔ جس طرح آپ پر ان کا حق ہے ٹھیک اسی طرح آپ کے مال پر بھی ان کا حق ہے۔

بیٹے کے مال میں باپ کا حق

ایک بار پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور اپنے باپ کی شکایت کرنے لگا کہ وہ جب چاہتے ہیں میرا مال لے لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے باپ کو بلوایا۔ لاٹھی ٹیکتا ہوا ایک بوڑھا کمزور شخص حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس

بوڑھے سے معلومات فرمائیں تو اس نے کہنا شروع کیا:

''خدا کے رسولؐ! ایک زمانہ تھا جب یہ کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، میں مالدار تھا اور یہ خالی ہاتھ، میں نے کبھی اس کو اپنی چیزیں لینے سے نہیں روکا۔ آج میں کمزور ہوں اور یہ تندرست وقوی ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مالدار ہے، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچاتا ہے۔''

یہ باتیں سن کر رحمتِ عالمؐ رو پڑے۔ اور فرمایا:

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

والدین کے قرضے کی فکر

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تمام اہم مصروفیات کے باوجود والدین کی خدمت اور ان کے حقوق سے کبھی غفلت نہ فرماتے تھے، زندگی میں تو خیال رکھتے ہی تھے، وفات کے بعد بھی انھوں نے والدین کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا۔ حضرت زبیرؓ بڑے خوش حال آدمی تھے، عام طور پر جب کسی مالدار آدمی کی وفات ہوتی ہے تو اس کے مرتے ہی ورثاء کو اپنے حصے کی فکر ہوتی ہے لیکن ان کو اپنے حصے کی ذرہ برابر فکر نہ تھی حالانکہ میراث میں صرف ان کا اپنا حصہ بھی کروڑوں کا تھا۔ اگر فکر تھی تو یہ کہ باپ کے ذمے کسی کا کچھ رہ نہ جائے۔ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے تو ترکہ سے باپ کا قرضہ چکایا۔ قرضہ چکانے کے بعد دوسرے وارثوں نے میراث کی تقسیم کے لیے جلدی مچائی اور تقاضے شروع کر دیئے۔ لیکن حضرت عبداللہؓ نے یہ کہہ کر ان کو تقسیم سے روک دیا کہ میں چار سال تک برابر حج کے دنوں میں اعلان کروں گا کہ اگر والد پر کسی کا قرضہ ہو تو وہ وصول کر لے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کا کچھ رہ گیا ہو، چار سال تک اسی طرح برابر اعلان کرنے کے بعد میں ترکہ تقسیم کروں گا۔

اس ترکیب سے انھوں نے ورثاء کو ترکہ تقسیم نہ کرنے پر چار سال تک کے لیے راضی کر لیا اور حج کے دنوں میں اعلان کر کر کے والد کے لیے ہزار آدمیوں سے دعائے مغفرت کراتے رہے۔

خدمت والدین کی برکتیں

(۱۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّمَدَّ لَہٗ فِیْ عُمُرِہٖ وَیُزَادُ فِیْ رِزْقِہٖ فَلْیَبَرَّ وَالِدَیْہِ وَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ۔ (احمد، الترغیب والترھیب)

''حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز کی جائے اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور صلہ رحمی کرے۔''

یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور ایک مہلت ہے کہ آدمی آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ کمائے۔ ماں باپ کی خدمت کے صلے میں لمبی عمر اور خوشحالی اللہ کا ایک زبردست انعام ہے، اور اس بات کا موقع اور سہولت فراہم کرنا ہے کہ آدمی اپنی نیکیوں میں کچھ اور اضافہ کرے اور اپنے ماں باپ کی کچھ اور خدمت بجالا کر خدا کی رحمت کا کچھ اور مستحق بن جائے۔

(۱۵) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ بَرَّ وَالِدَیْہِ طُوْبٰی لَہٗ زَادَ اللّٰہُ فِیْ عُمُرِہٖ۔ (الترغیب والترہیب: ج3)

''حضرت معاذ بن انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس آدمی نے والدین کے ساتھ بھلائی کی اس کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز فرمادے گا۔''

عمر کی درازی ایک مومن کے لیے اسی معنی میں خوشخبری ہے کہ اس کو اپنی آخرت بنانے کا کچھ اور موقع مل گیا اور اپنی پاکیزہ تمنائیں پوری کرنے کے لیے کچھ اور سہولتیں میسر آگئیں۔

ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں

اولاد کی پرورش میں ماں باپ دونوں ہی کا حصہ ہے، دونوں ہی اپنے آرام و آسائش کی قربانی دے کر اولاد کو پروان چڑھاتے ہیں، باپ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اس پر لٹاتا ہے اور ماں اپنا خونِ جگر پلا پلا کر اس کو پالتی ہے اور دونوں کی ملی جلی محنت، کوشش اور شفقت اور محبت سے بچہ پلتا بڑھتا ہے، اسی لیے قرآن وسنت میں دونوں ہی کے ساتھ حسنِ سلوک

کی تاکید کی گئی ہے اور دونوں کی خدمت واطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اولاد کی پرورش میں سب سے زیادہ تکلیفیں ماں ہی کو اٹھانی پڑتی ہیں۔ ماں جس طرح اپنی ہستی کو بھلا کر بچے کو پالتی ہے، جس شفقت سے اپنا خون جگر پلاتی ہے اور بچے کی خاطر جس طرح اپنے دن کا آرام اور رات کی نیند مسلسل قربان کرتی ہے، اس خدمت وجاں نثاری کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ اسی لیے قرآن نے ماں باپ دونوں کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید کرتے ہوئے ماں کی پیہم زحمتوں اور کٹھنائیوں کا نقشہ بڑے ہی اثر انگیز طریقے پر کھینچا ہے اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جاں نثار ماں، باپ کے مقابلے میں تمہاری خدمت و اطاعت اور سلوک کی زیادہ مستحق ہے اور پھر اسی حقیقت کو قرآن مجید نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ الاحقاف 15:46

”اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی۔ اس کی ماں تکلیف اٹھا اٹھا کر اپنے پیٹ میں لیے پھری اور تکلیف ہی سے جنا اور پیٹ میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی یہ (تکلیف دہ) مدت ڈھائی سال ہے۔“

ایک اور موقع پر ماں باپ کی شکر گزاری کی تاکید کرتے ہوئے قرآن نے ماں کی اس بے مثال قربانی اور تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے اولاد کو ماں کی شکر گزاری پر خصوصیت کے ساتھ ابھارا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ لقمان 14:31

”اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر پیٹ میں رکھا اور (پھر اس کو دودھ پلایا) پھر دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے یہ تاکید کی ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور ماں باپ کا۔“

قرآن کے اس اندازِ بیان سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ ماں کی کمزور ہستی

آپ کی خدمت ومحبت، اطاعت وفرماں برداری اور سلوک وشکر گزاری کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ اس نے آپ کی پیدائش اور پرورش میں زبردست تکلیفیں اٹھائی ہیں، بے مثال قربانیاں دی ہیں اور شب وروز لگ کر آپ کو پالا ہے، بلاشبہ پرورش میں باپ کا بھی حصہ ہے، لیکن باپ کی محنتوں اور قربانیوں کو ماں کی جاں فشانی اور جاں نثاریوں سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

عبرت انگیز مکالمہ

ایک مرتبہ ایک آدمی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ یارسولؐ اللہ میری ماں بدمزاج ہے، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نو مہینے تک مسلسل جب وہ تجھے پیٹ میں لیے لیے پھری اس وقت تو یہ بدمزاج نہ تھی!''

وہ شخص بولا: ''حضرت! میں سچ کہتا ہوں وہ بدمزاج ہی ہے۔''

حضورؐ نے فرمایا:

''جب یہ رات رات بھر تیری خاطر جاگتی تھی اور اپنا دودھ تجھے پلاتی تھی اس وقت تو یہ بدمزاج نہ تھی!''

اس آدمی نے کہا:

''میں اپنی ماں کو ان سب باتوں کا بدلہ دے چکا ہوں۔''

حضور نے پوچھا:

''تو کیا بدلہ دے چکا ہے بھلا؟''

اس نے کہا:

''میں نے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر اس کو حج کرایا ہے۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کن جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''کیا تو اسے اس دردزہ کی تکلیف کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، جو تیری پیدائش کے وقت اس نے اٹھائی ہے؟''

(۱۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ، قَالَ اُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ: قَالَ: ثُمَّ مَنْ، قَالَ: اُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اَبُوْكَ۔ (بخاری، مسلم)

''حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے پوچھا: اے خدا کے رسولؐ میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ ارشاد فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ تو آپؐ نے فرمایا تیرا باپ۔''

یہ حدیث صاف صاف بتاتی ہے کہ حسنِ سلوک اور خدمت و اطاعت کے لحاظ سے ماں کا درجہ باپ سے بڑھا ہوا ہے۔ صحابی نے بار بار پلٹ پلٹ کر سوال کیا اور آپؐ یہی جواب دیتے رہے کہ تمہارے حسن سلوک کی مستحق سب سے زیادہ تمہاری ماں ہے۔ چوتھی بار آپؐ نے فرمایا تمہارے نیک سلوک کے مستحق تمہارے باپ ہیں۔ حضرت ابن بطال بڑے لطف کی بات فرماتے ہیں: ''خدمت و سلوک میں ماں کا حق باپ سے تین گنا زیادہ ہے، اس لیے کہ بچے کے سلسلے میں ماں نے تین ایسی خدمتیں انجام دی ہیں جن کا ایک باپ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حمل کے دوران ماں بچے کو اٹھائے اٹھائے پھری، پھر ولادت کی تکلیفیں سہیں، پھر اپنا دودھ پلایا۔ قرآن حکیم میں بھی انھی تین اہم خدمتوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، پھر تربیت و پرورش میں ماں باپ دونوں برابر ہیں، اس لیے دونوں کے ساتھ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی خاتون ماں کی خدمت و اطاعت میں تو لگی رہے لیکن باپ سے بالکل بے پروا ہو جائے۔ جہاں تک ادب و تعظیم کا تعلق ہے باپ اس کا زیادہ مستحق ہے اور باپ سے بے تعلق ہونا کسی طرح مومنانہ طرز فکر نہیں ہے، دونوں ہی کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید کی گئی ہے، البتہ معاملات میں اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ ماں کی کمزور ہستی کے احسانات آپ پر بہت زیادہ ہیں اور ان کا تقاضا ہے کہ آپ ماں کو سب سے زیادہ آرام

پہنچائیں، ماں کی اطاعت میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، اور اس کے مامتا بھرے دل کو کبھی دکھی نہ ہونے دیں۔ جس طرح ماں نے بچپن میں آپ کے نازک جذبات کا ہر طرح خیال رکھا اسی طرح آپ بھی کسی وقت ماں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگنے دیں۔

ماں کی مامتا کا خیال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کسی صحابی نے کسی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور چاہا کہ اپنا بچہ بھی اس سے لے لیں۔ ماں کا برا حال تھا، ایک تو شوہر کے چھوٹنے کا صدمہ، دوسرے یہ غم کہ یہ جگر کا ٹکڑا غم غلط کرنے کا سہارا بھی چھن جائے گا۔ غم سے نڈھال پریشان حال رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی ساری بپتا بڑے ہی درد بھرے الفاظ میں سنائی:

''اے اللہ کے رسولؐ! میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی اور میں ان کی سرپرستی سے محروم ہو گئی۔ اے اللہ کے رسولؐ! اب وہ مجھ سے میرے اس ''ننھے'' کو بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! اے رحمت عالمؐ! یہ میرا پیارا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کی آرام گاہ ہے، میری چھاتیاں اس کا مشکیزہ ہیں اور میری گود اس کا گھروندا ہے، مجھے اس سے آرام ہے، یہ میرے لیے کنویں سے پانی بھر لاتا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! میں اس صدمے کو کیسے برداشت کروں گی۔''

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرعہ اندازی کرلو۔ باپ نے آگے بڑھ کر کہا۔ یا رسول اللہؐ! یہ میرا بچہ ہے، میرے بچے کا بھلا اور کون دعویدار ہوسکتا ہے! آپؐ نے لڑکے کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے، بیٹے تم جس کا چاہو ہاتھ پکڑ لو۔ لڑکے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکے کی ماں سے فرمایا: ''جاؤ جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم سے کوئی اس کو چھین نہیں سکتا۔''

ماں کی فرمائش کا خیال

حضرت عثمانؓ کے دور مبارک میں کھجور کی قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں، حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ کھجور کے درخت میں شگاف کر کے جمار نکال رہے ہیں۔ کسی

صاحب نے حیرت سے پوچھا، حضرت مہنگائی کا یہ زمانہ اور تم کھجور میں سے جمار نکال کر درخت کو بے کار کر رہے ہو، آج کل تو کھجور کے درخت کی بڑی قیمت ہے، فرمایا، بھائیو! تمہیں کیا بتاؤں، میری ماں نے مجھ سے جمار کی فرمائش کی تھی، بھلا ماں کی فرمائش بھی ٹھکرائی جا سکتی ہے؟

ماں کا ادب

حضرت محمد ابن سیرین مشہور تابعی بزرگ ہیں، فقہ و حدیث کے امام مانے جاتے ہیں، آپ کی والدہ محترمہ حجاز کی رہنے والی تھیں۔ حضرت والدہ کے ادب واحترام اور شوق کا انتہائی خیال رکھتے تھے، جب کبھی والدہ کے لیے کپڑا خریدتے، تو کپڑے کی نرمی اور خوبصورتی پر نگاہ رہتی، عید کے لیے تو اپنے ہاتھ سے ماں کے لیے کپڑے رنگتے۔ ماں کے ادب واحترام کا حال یہ تھا کہ کبھی ماں کے سامنے اونچی آواز میں نہ بولتے۔ اس طرح ماں سے گفتگو کرتے کہ جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہوں۔

ماں کی خدمت

حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ بہت ہی مشہور بزرگ گزرے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیر التابعین کے لقب سے نوازا تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا خیر التابعین قبیلہ قرن کا ایک آدمی ہے، اس کا نام اویس ہے، اس کی ایک بوڑھی ماں ہے، جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اپنی قسم پوری کرتا ہے، اگر تم اس سے مغفرت کی دعا لے سکو تو ضرور لینا۔

حضرت اویسؒ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے، لیکن آپؐ سے ملاقات نہ کر سکے۔ ایک مومن کی اس سے زیادہ اور کیا تمنا ہو سکتی ہے کہ اس کی آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے روشن ہوں، لیکن حضرت اویس رحمتہ اللہ علیہ محض اس وجہ سے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر نہ ہو سکے کہ ان کی ایک بوڑھی ماں تھیں اور وہ ان کو تنہا چھوڑنا نہ چاہتے تھے، دن رات انھی کی خدمت میں لگے رہتے تھے، فریضۂ حج ادا کرنے کی بڑی

آرزو تھی لیکن جب تک ان کی والدہ محترمہ زندہ رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا اوران کی وفات کے بعد ہی یہ آرزو پوری کر سکے۔

ماں کے ساتھ سلوک

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا اوراس نے کہا ''حضرت! میں نے ایک جگہ اپنی شادی کا پیغام بھیجا ہے لیکن لڑکی نے انکار کر دیا۔ایک دوسرے آدمی نے اپنا پیام بھیجا،لڑکی نے منظور کرلیا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی غیرت آئی اور میں نے جذبات سے بے قابو ہوکراس عورت کو مار ڈالا ۔ حضرت بتایئے، اب میرے لیے بھی توبہ کی کوئی شکل ہے؟'' حضرت عبداللہؓ نے اس سے پوچھا: ''یہ بتاؤ، کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟'' وہ آدمی بولا: ''حضرت! ماں کا تو انتقال ہو چکا ہے۔'' جاؤ، سچے دل سے توبہ کرو اور جہاں تک تم سے ہوسکے ایسے کام کرو جس سے خدا کا قُرب اوراس کی رضا حاصل ہو۔'' حضرت زید ابن اسلم حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچے اور پوچھا حضرت یہ تو بتایئے اس آدمی سے آپ نے یہ کیوں پوچھا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا خدا کا قرب اوراس کی رضا حاصل کرنے کے لیے ماں کے ساتھ نیک سلوک سے بڑھ کر مجھے نہیں معلوم کہ کوئی اور عمل بھی ہوسکتا ہے!

اسی طرح کا ایک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی پیش آیا۔ایک آدمی پیارے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے خدا کے رسولؐ! میں ایک بہت بڑا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ اے خدا کے رسولؐ! کیا میرے لیے بھی توبہ کی کوئی صورت ممکن ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس آدمی نے کہا حضورؐ! والدہ تو زندہ نہیں ہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا، اچھا تمہاری خالہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں؟ آپؐ نے فرمایا تو خالہ کے ساتھ نیک سلوک کر۔

اس واقعہ سے ماں کی عظمت اور ماں کی خدمت کی دینی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر آدمی بڑے سے بڑا گناہ کر لے تو اس کے عذاب سے بچنے اور خدا کو خوش کرنے کی شکل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتائی کہ ماں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور یہ خدا کی رحمت کی انتہا

ہے کہ اگر ماں انتقال کرگئی ہوتو ماں کی بہن کے ساتھ اچھا سلوک کر کے آدمی اپنی آخرت بنا سکتا ہے۔

رضاعی ماں کے ساتھ سلوک

(۱۷) عَنْ اَبِي الطُّفَيْلُ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيِّ ﷺ يَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعْرَانَةِ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ حَتّٰى دَنَت۔

''حضرت ابوالطفیلؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ گوشت بانٹ رہے تھے، اتنے میں ایک عورت آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب چلی گئیں۔ آپؐ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون صاحبہ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہیں، انھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔''

اپنی حقیقی ماں کے علاوہ بچہ جس عورت کا دودھ پیتا ہے وہ اس کی رضاعی ماں کہلاتی ہے۔ محض دودھ پلانے سے کوئی عورت حقیقی ماں تونہیں بن جاتی لیکن بعض معاملات میں اس کا وہی درجہ ہوجاتا ہے جو حقیقی ماں کا ہے، نکاح اور پردے کے معاملے میں اسلام نے رضاعی ماں کو وہی مقام دیا ہے جو حقیقی ماں کا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس واقعے سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ رضاعی ماں کے ساتھ حقیقی ماں کی طرح نیک سلوک کریں۔ اس کی خدمت بجالائیں اور ہر طرح اس کا ادب واحترام کریں۔

غیر مسلم ماں باپ کے ساتھ سلوک

اس دنیا میں جہاں دن رات نیکی بدی کی جنگ برپا ہے۔ کم ہی سہی لیکن بہرحال ممکن ہے کہ کسی مومنہ کے والدین اسلام کی دولت سے محروم ہوں، ایسی صورت میں ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے؟ یہ معاشرتی زندگی کا ایک اہم سوال ہے۔

جہاں تک دین وایمان کا سوال ہے، قرآن نے واضح انداز میں دوٹوک فیصلہ سنایا ہے۔ اگر ماں باپ شرک ومعصیت کا حکم دیں تو ہرگز ان کی اطاعت نہ کرو۔ خدا کا حق بہرحال ماں باپ سے زیادہ ہے اور ماں باپ پر بھی لازم ہے کہ وہ خدا کا حق پہچانیں اور

اس کی فرماں برداری کریں، کیونکہ خدا ان کا بھی خالق و مالک ہے، خالق و مالک کی نافرمانی میں والدین کی اطاعت کرنا تو درکنار ایسا سوچنا بھی ایک مومنہ کے لیے جائز نہیں۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا العنکبوت 8:29

''اور اگر ماں باپ تم پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک بناؤ جس کا تمھیں کوئی علم نہیں تو ہرگز ان کا کہنا نہ مانو!''

نہ صرف شرک کے معاملے میں ان کی اطاعت نہ کی جائے بلکہ ہر ایسے معاملے۔ میں ان کی اطاعت ختم ہوجاتی ہے جہاں خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو، خدا کے رسولؐ نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔

حضرت سعدؓ کی کافرہ ماں

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص بہت مشہور صحابی ہیں۔ ابھی 19 سال ہی کے تھے کہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ان کی ماں کو جب خبر ہوئی تو قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ یا تو اسلام چھوڑ دو یا فاقہ کر کے میں اپنی جان دے دوں گی۔ حضرت سعدؓ ماں کو بہت مانتے تھے۔ ماں کی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے، لیکن دین کا معاملہ تھا۔ ماں کا کہنا مانتے تو کیسے۔ ماں بار بار ان سے کہتیں کہ دیکھو تمہارے دین نے ماں باپ کی اطاعت پر کتنا زور دیا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں، ماں کا کہنا ٹھکرا کر تو تم خود اپنے دین کے خلاف کر رہے ہو، میں تم کو حکم دیتی ہوں کہ اسلام چھوڑ دو۔ خود حضرت سعدؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ تین دن تک انھوں نے نہ کھایا اور نہ پیا اور مارے بھوک پیاس کے بے ہوش ہوگئیں۔ میرے بھائی نے زبردستی ان کا منہ چیر چیر کر ان کو کھلایا۔ اس موقع پر اللہ میاں نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر والدین تمہیں شرک پر مجبور کریں تو ان کا کہنا نہ مانو۔

دین و ایمان کے معاملے میں تو بات بالکل صاف ہے، کہ آپ فیصلہ کن انداز میں ان کی اطاعت سے انکار کر دیں اور ان کی کسی سختی اور دباؤ کا ہرگز اثر نہ لیں۔ لیکن جہاں تک دنیوی معاملات میں ان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیک سلوک کا تعلق ہے، ایک مومنہ کے لیے ضروری ہے کہ ان کی ہر طرح خدمت بجا لائے۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور

اپنے نیک سلوک اور اچھے اخلاق و برتاؤ سے انھیں ایمان کی طرف مائل کرنے کی برابر کوشش کرے۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ لقمان 15:31

''اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہو، اور پیروی ان لوگوں کی کرو جو میری طرف رجوع ہوں۔''

اسلام نے والدین کی خدمت و اطاعت پر جو زور دیا ہے یہ اس کی انتہا ہے کہ اگر والدین کفر و شرک کی گندگیوں میں مبتلا ہوں، نہ صرف خود مبتلا ہوں بلکہ اولاد کو بھی مجبور کر رہے ہوں تب بھی اولاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں ان کے رتبے کو کبھی نظر انداز نہ کریں۔ بہرحال وہ ماں باپ ہیں۔ اولاد کی پیدائش کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے ان تمام باتوں کے باوجود بھی ایک مومنہ کا فرض ہے کہ وہ ہر طرح ان کی خدمت بجالائے، ان کے ساتھ نیک سلوک کرے، ان کے ادب و احترام کا خیال رکھے، ضرورت ہو تو ان کی مالی مدد بھی کرے اور اپنی کسی دنیوی روش سے ان کو شکایت کا موقع نہ دے۔ البتہ دین و ایمان کے معاملے میں پیروی صرف ان نیک لوگوں کی کرے جو خدا کی طرف رجوع ہوں، اسلام کی راہ پر ہوں اور خدا کے سچے فرمانبردار ہوں۔

مشرکہ ماں کے حق میں رسول اکرمؐ کا فرمان

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاسْتَفْتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قُلْتُ: قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ، وَھِیَ رَاغِبَۃٌ" اَفَاَصِلُ اُمِّیْ؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِیْ اُمَّکِ۔ (بخاری)

''حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے مبارک عہد میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ مشرکہ تھیں۔ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں آئی ہیں اور وہ اسلام سے بےزار ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی اسی طرح

صلہ رحمی کرنی چاہیے جس طرح مسلم ماں باپ کے ساتھ۔ دنیوی معاملات میں ان کے ادب واحترام اور خدمت وعظمت میں ہرگز کوتاہی نہ کی جائے اور ہر طرح انھیں آرام پہنچایا جائے۔ مگر ایک مومنہ کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے والدین کی سب سے بڑی خیر خواہی اور ان کے ساتھ بہترین سلوک یہ ہے کہ وہ اپنے اخلاق، برتاؤ، گفتگو اور خدمت سے ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی برابر کوشش کرتی رہے، اور خدا سے گڑ گڑا کر ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتی رہے، حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ بھی پہلے اسلام کی دولت سے محروم تھیں۔ لیکن حضرت نے ان کے ادب واحترام اور خدمت وعزت میں قطعاً کوئی کوتاہی نہ کی، برابر اُن کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہے اور برابر اسلام کی دعوت بھی ان کے سامنے پیش کرتے رہے، اور بے قرار رہتے کہ کسی طرح ان پر بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کا دروازہ کھول دیتا۔ ان کے واقعہ سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدانخواستہ اگر کسی مومنہ کے ماں باپ غیر مسلم ہوں، تو وہ ان کے ساتھ کس طرح رہے، کس طرح ان کا ادب واحترام کرے۔ کس طرح ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور ان کی خیر خواہی کا تقاضا کس طرح پورا کرے۔

منکرِ اسلام ماں سے بھلائی کا خوشگوار انجام

حضرت ابوہریرہؓ جب مسلمان ہوئے تو بہت دنوں تک ان کی والدہ شرک ہی میں مبتلا رہیں۔ حضرت انھیں برابر شرک کی برائی سمجھاتے رہتے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہتے لیکن چونکہ ابھی تک ان کا سینہ ہدایت کے لیے نہیں کھلا تھا، اس لیے وہ برابر انکار کرتی رہتیں۔ اس کے باوجود حضرت ان کی عزت وعظمت اور خدمت وفرماں برداری میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔ ایک دن جب حضرت نے ان کے سامنے دین کی دعوت پیش کی تو انھوں نے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی، حضرت کا دل بھر آیا اور روتے ہوئے پیارے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا ''یا رسولؐ اللہ! میں برابر اپنی والدہ کو دین کی باتیں سمجھاتا رہتا ہوں لیکن وہ ہمیشہ انکار ہی کرتی رہتی ہیں۔ مگر آج تو غضب ہی ہو گیا۔ آج جب میں نے ان کے سامنے دینِ توحید کی دعوت پیش کی تو انھوں

نے غصے میں آکر آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کو برا بھلا کہہ ڈالا۔ یا رسولؐ اللہ! مجھ سے ضبط نہ ہوسکا۔ میرا دل بھر آیا اور میرے آنسو جاری ہو گئے۔ اللہ کے رسولؐ! دعا کیجئے کہ خدا میری پیاری ماں کا سینہ اسلام کے لیے کھول دے۔'' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ''اے اللہ! ابو ہریرہؓ کی ماں کو ہدایت دے!''

حضرت فرماتے ہیں یہ دیکھ کر میرا سارا غم جاتا رہا اور میں خوشی میں جھومتا ہوا وہاں سے باہر آیا۔ گھر پہنچا تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے اور پانی گرنے کی آواز آرہی ہے، میرے قدموں کی چاپ سُن کر اندر سے والدہ محترمہ نے آواز دی، بیٹے باہر ہی ذرا رکے رہو، میں باہر ہی رک گیا۔ پانی گرنے کی آواز سن کر میں سمجھ ہی گیا تھا کہ والدہ غسل فرما رہی ہیں۔ میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ والدہ نے جلدی جلدی غسل کیا، کپڑے پہنے اور آکر دروازہ کھول دیا۔ جلدی میں دوپٹہ اوڑھنا بھی بھول گئیں اور دروازہ کھولتے ہی بولیں: ''ابو ہریرہ بیٹے! اللہ نے تمہاری سن لی، گواہ رہو، میں کلمہ پڑھتی ہوں۔

مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ مارے خوشی کے میرے آنسو بہنے لگے۔ میں خوشی میں آنسو بہاتا اسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں آپ کو خوش خبری سنانے آیا ہوں، اللہ نے اپنے پیارے رسولؐ کی دعا قبول فرمالی اور میری والدہ کو ایمان کی دولت مل گئی۔ یہ سن کر آپؐ بھی بہت خوش ہوئے۔ خدا کی حمد وثنا فرمائی اور مجھے چند نصیحتیں کیں۔

پھر میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک اور درخواست کی۔ اللہ کے رسولؐ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری ماں کو تمام مومنوں کی نظر میں محبوب بنا دے اور سارے مومن میرے اور میری والدہ کے پیارے بن جائیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

''پروردگار! تو ابو ہریرہؓ اور اس کی ماں کی محبت تمام مومنوں کے دل میں ڈال دے اور ان دونوں کے دل میں تمام مسلمانوں کی محبت ڈال دے۔''

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقبول دعا کے بعد جس مسلمان نے بھی مجھے

دیکھا یا میرا تذکرہ سنا اس نے مجھ سے محبت کی۔

ماں باپ کی نافرمانی

شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی ہے اور یہ وہ گھناؤنی برائی ہے جس کے خیال سے ہی ایک مومنہ کو گھن آتی ہے۔ شکر گزاری، شرافت، احسان مندی، یہ وہ بنیادی خوبیاں ہیں جن کو اپنا کر ایک آدمی واقعی انسان بنتا ہے۔ جس نے ان بنیادی خوبیوں سے خود کو محروم رکھا، وہ انسانیت کے جوہر سے خالی ہے۔ ایسا شخص کبھی خدا کا پسندیدہ بندہ نہیں بن سکتا۔ نہ خدا کے حقوق ادا کرسکتا ہے اور نہ ہی انسانوں کے۔ غور کیجئے، خدا کے بعد آپ پر سب سے بڑا احسان ماں باپ کا ہے، خدا نے ان کے ذریعے آپ کو زندگی بخشی، ان کی شفقت ورحمت کے سائے میں آپ کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ انھوں نے اپنے وجود کو بھلا کر آپ کو پالا پوسا اور آپ کے آرام وراحت کی فکر میں اپنے آرام وراحت کو قربان کیا، بلاشبہ شرافت، احسان مندی، اور شکر گزاری کا کھلا ہوا تقاضا ہے کہ آپ دل کی گہرائیوں سے ان کا شکر گزار بنیں، ان کا احسان مانیں، زندگی بھر ان کی احسان مند رہیں اور ان کے ساتھ شریفانہ سلوک میں خود کو بھول جائیں۔

ایک مومنہ جو اپنے دل میں خدا کے لیے شکر گزاری کے جذبات رکھتی ہو، خدا کے احسانات کا احساس رکھتی ہو اور خدا کی بندی بن کر رہنا چاہتی ہو، وہ کبھی ماں باپ کی نافرمان نہیں ہوسکتی۔ نافرمان ہونا تو بہت دور کی بات ہے وہ والدین سے بے پرواہ ہوکر نہیں رہ سکتی۔

بدترین گناہ

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ثَلَاثًا قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ، وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، وَ کَانَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ: اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ، وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ، فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَہٗ سَکَتَ۔

''حضرت ابوبکرہ (نفیع بن الحارث ؓ) کا بیان ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں تین بڑے اور بدترین گناہوں سے خبردار کیوں نہ کروں، ہم سب نے کہا کیوں نہیں ضرور

یارسولؐ اللہ! فرمایا خدا کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا دیکھو خوب سن لو، جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا اور آپؐ برابر یہی کہتے رہے کہ، یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپؐ خاموش ہوجاتے۔''

حدیث میں والدین کی نافرمانی کے لیے عقوق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ بڑا جامع لفظ ہے، قرآن حکیم میں والدین کے ساتھ احسان کی وصیت کرتے ہوئے جن جن باتوں کی تاکید کی گئی ہے، ان کی خلاف ورزی کا نام عقوق ہے، ماں، باپ سے بے نیازی، ان کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ، ان کے حکموں کو حقیر جاننا، ان کو دکھ دینا اور ان کی نافرمانی کرنا، عقوق کے مفہوم میں یہ سب ہی باتیں شامل ہیں۔

دوسری قابلِ غور بات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز بیان ہے۔ بات کی اہمیت کو جتانے اور دل میں اتار دینے کے لیے یہ انداز بیان انتہائی فطری اور بے حد موثر ہے، اگر جذبۂ اطاعت موجود ہو تو سننے والے کے دل میں اس بدترین گناہ کے خلاف ایسی نفرت جم جاتی ہے کہ وہ اس کے خیال ہی سے گھن کرنے لگتا ہے، اور اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہے۔

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے پہلے سوال کرتے ہیں اور سوال کا منشاء بھی یہ نہیں کہ صحابہؓ جواب دیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ میں جو تمہیں نجات کی راہ دکھانے آیا ہوں تو مجھے یہ بات لازماً تمہیں بتانا ہی چاہیے۔ فرماتے ہیں میں تمہیں تین بدترین بڑے گناہوں سے خبردار کیوں نہ کروں؟

بات کہنے کا یہ انوکھا انداز بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گناہ کو انسان کے لیے کھلی ہوئی ہلاکت سمجھ رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ سننے والے دل کے کانوں سے اس حقیقت کو سن اور سمجھ لیں، جب تین بار کی پیہم تنبیہ سے صحابہؓ سننے کے لیے بے تاب ہوجاتے ہیں تو آپؐ فرماتے ہیں: خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پھر اس بدترین گناہ کے تصور اور قلق نے آپؐ کو ایسا جھنجھوڑا اور آپؐ خود اتنے متاثر ہوئے کہ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، کہ جوش واضطراب میں یکا یک اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا لوگو! کان کھول کر خوب سن لو۔ جھوٹی باتیں کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ اور پھر اضطراب وقلق میں آپ پر ایسا جذبہ طاری ہوا

کہ آپؐ برابر یہی الفاظ دہراتے رہے، آپؐ کی یہ کیفیت دیکھ کر صحابہؓ پریشان ہو گئے اور تمنا کرنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے!

تیسری اہم بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جن تین بڑے گناہوں سے خبردار کیا ہے ان میں شرک کے بعد والدین کی نافرمانی ہے۔ یہی ترتیب قرآن حکیم میں بھی ہے: ''کہہ دیجئے، آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کیا یہ کہ تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔'' خدا کے حق کا انکار شرک ہے اور ماں باپ کے حق سے غفلت عقوق ہے۔ غور کیجئے آپ پر سب سے بڑا حق پیدا کرنے والے خدا کا ہے اور خدا کی توحید سے انکار اور اس کے ساتھ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، ایسا بدترین گناہ جس کی بخشش ہی نہیں۔ قرآن میں ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت نہ فرمائے گا۔'' خدا کے بعد سب سے بڑا حق ماں باپ کا ہے اور خدا کی ناشکری اور نافرمانی کے بعد سب سے بدتر اور بڑا گناہ ماں باپ کی ناشکری اور نافرمانی ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنے حق کے بعد انھی کا حق بتایا ہے، اور اپنی شکر گزاری کے ساتھ والدین کی شکر گزاری کا حکم دیا ہے: اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ (لقمان 14:31) یہ کہ تم میرے اور اپنے والدین کے شکر گزار رہو، بعض دوسری روایتوں میں اس ترتیب کا لحاظ نہیں ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہاں یہ ترتیب مقصود ہی نہیں ہے یا پھر موقع کی مناسبت اور مخاطب کی رعایت سے آپؐ نے جس بات کو زیادہ اہم محسوس فرمایا اسے پہلے بیان کیا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے ترتیب وہی ہے جس کی رعایت قرآن نے ہر مقام پر کی ہے اور اس حدیث میں بھی اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ والعلم عنداللہ۔

یمن والوں کے نام رسول اکرمؐ کا خط

خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ یمن والوں کے نام جو یادگار خط بھیجا تھا، اس میں آپؐ نے انھیں خبردار فرمایا تھا کہ دیکھو ''خدا کے نزدیک قیامت کے دن عظیم ترین گناہ یہ ہیں:

1- خدا کے ساتھ شرک کرنا۔

2- مومن کو ناحق قتل کرنا۔

3- خدا کی راہ میں جہاد سے بھاگ کھڑا ہونا۔

4- ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

5- پاک دامن شریف عورتوں پر تہمت لگانا۔

6- جادوٹونے سیکھنا۔

7- سود کھانا۔

8- اور یتیموں کا مال کھانا۔

رسول اکرمؐ کی وصیت

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ بڑے مرتبے کے صحابی ہیں۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے: اگر معاذؓ نہ ہوتے تو میری تباہی یقینی تھی۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی وصیتیں کی ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ ''اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا چاہے قتل کر دیئے جاؤ اور جلا دیئے جاؤ اور کبھی ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا چاہے وہ تمہیں یہ حکم دیں کہ اپنے مال و دولت اور گھر والوں سے دور رہو۔''

والدین کو رُلانا

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بڑے اونچے درجے کے صحابی ہوئے ہیں۔ زبردست عالم، عابد اور زاہد تھے۔ ہر معاملے میں سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ساٹھ سال تک آپ فتوے دیتے رہے ہیں۔ آپ کا قول ہے، ماں باپ کو رُلانا ان کی نافرمانی ہے، اور یہ بڑا زبردست گناہ ہے۔

ماں باپ کو بُرا بھلا کہنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العاصِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ

أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ۔ (بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ)

''حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بڑے گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، لوگوں نے (حیرت سے) پوچھا: یا رسولؐ اللہ! بھلا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جی ہاں آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (لوٹ کر) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ وہ دوسرے کی ماں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے، تو وہ اس کی ماں کو برا بھلا کہتا ہے۔''

یہ حدیث ہدایت کرتی ہے کہ ماں باپ کے عزت واحترام اور ان کی ایذا رسانی سے بچنے کا اس درجہ اہتمام کرنا چاہیے کہ آپ کسی کے ماں باپ کے بارے میں کوئی ایسی بات بھی زبان سے نہ نکالیں جس سے بھڑک کر وہ آپ کے ماں باپ تک پہنچے اور انھیں برے ناموں سے یاد کرے۔

لعنت ملامت کرنا

''حضرت ابوطفیلؓ کہتے ہیں حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو کوئی ایسی بات بھی بتائی ہے جو دوسروں کو نہ بتائی ہو؟ آپ نے فرمایا: ''خدا کے رسولؐ نے ہمیں کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو دوسروں کو نہ بتائی ہو۔ ہاں ایک نوشتہ ہے جو میری تلوار کی میان میں ہے۔ پھر آپ نے تلوار کی میان سے وہ نوشتہ نکالا۔ اس میں لکھا تھا جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر ذبح کرے اس پر خدا کی لعنت، جو زمین کی حد بندی کا نشان بدل دے اس پر خدا کی لعنت، جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرے اس پر خدا کی لعنت اور جو دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے اس پر خدا کی لعنت۔

ماں باپ پر لعنت اور انھیں برا بھلا کہنا ایسی گھناؤنی برائی ہے کہ سوچتے ہی احساس میں تلخی دوڑ جاتی ہے اور آدمی جھرجھری لینے لگتا ہے، لیکن معاملات کی اس دنیا میں ہر قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ غصہ، انتقام، جہالت اور نادانی میں بعض اوقات آدمی وہ کچھ کر بیٹھتا ہے جسے عام حالات میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

ماں باپ بہر حال انسان ہیں۔ وہ انسانی کمزوریوں اور خواہشوں سے بلند نہیں ہیں۔

نفرت، محبت، غصہ، انتقام اور بہت سے کمزور جذبات رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی بشری کمزوری کے تحت کوئی ایسی بات کہہ بیٹھیں یا کوئی ایسا سلوک آپ کے ساتھ روا رکھیں جس کی آپ ان سے توقع نہ رکھتی ہوں، تو آپ بھڑک نہ جائیں۔ ان کے حقوق سے آنکھیں نہ میچ لیں............ ماں باپ وہ ہستیاں ہیں، جو آپ کی پرورش و پرداخت اور آرام و راحت میں اپنی پوری زندگی تج چکے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ جو سلوک بھی کریں آپ کو زیب نہیں دیتا کہ ان کی کوتاہیاں بیان کریں، انھیں ملامت کریں اور ان کے تمام احسانات پر پانی پھیرنے کی گھناؤنی کوشش کریں۔

بلاشبہ والدین بھی کبھی اولاد کے حق میں کوتاہی کر سکتے ہیں اور اپنے ناروا سلوک سے اولاد کو نافرمانی اور بغاوت کی راہ پر ڈال سکتے ہیں بالخصوص جہاں باپ نے دوسرا نکاح کرلیا ہو اور اولاد کو سوتیلی ماں کے ساتھ گزارا کرنا پڑ رہا ہو، طرح طرح کے تکلیف دہ مناظر سامنے آتے ہیں، سوتیلی مائیں عام طور پر طرح طرح سے باپ کو اولاد کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتی ہیں اور ان کی دلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح باپ اولاد سے برگشتہ ہو جائے اور عام طور پر باپ بھی کچھ تو نئی بیوی کی دلجوئی میں اور کچھ اس کے بار بار کہنے سے اپنی اولاد کے ساتھ سوتیلی اولاد جیسا سلوک کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں نے دوسرا نکاح کرلیا ہے اور اولاد کو سوتیلے باپ سے سابقہ ہے تو عام طور پر سوتیلے باپ یہ برداشت نہیں کر پاتے کہ ماں اپنی پچھلی اولاد کے ساتھ ماں جیسا سلوک کرے۔ یا کم از کم خواہش یہ ہوتی ہے کہ ماں پچھلی اولاد کے مقابلے میں میری اولاد کو زیادہ چاہے۔ ماں بھی کچھ تو شوہر کی خوشی کے لیے اور کچھ اس کی خواہش سے مجبور ہو کر چار و ناچار بعض اوقات ایسا سلوک روا رکھنے لگتی ہے جس کی توقع عام حالات میں ماں جیسی نرم دل اور مہربان ہستی سے ہرگز نہیں ہوتی۔

انصاف کی رُو سے اس صورتحال میں کسی درجے میں ہی سہی ماں باپ قصور وار ٹھہرتے ہیں اور خاندان اور معاشرے کے دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ایسے ماں باپ کو ٹوکیں، ان کا فرض ان کو یاد دلائیں اور خاندانی دباؤ کے تحت انھیں مجبور کریں کہ وہ اولاد

کے ساتھ اولا جیسا سلوک کریں لیکن جہاں تک اولاد کا تعلق ہے، وہ بہر حال صبر وضبط سے کام لے، ماں باپ کے عزت واحترام کا خیال رکھے اور کوئی ایسی بات ہرگز زبان پر نہ آنے دیں، جو محترم ماں باپ کی شان کے خلاف ہو، اولاد کا فرض ہر صورت میں یہی ہے کہ وہ اپنے امکان بھر شکر گزاری، فرماں برداری اور حسنِ سلوک کا ثبوت دے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وَاَطِعْ اَبَاکَ بِکُلِّ مَا اَوْصٰی بِہٖ
اِنَّ الْمُطِیْعَ اَبَاہُ لَا یَتَضَعْضَعُ

باپ جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت کرو
یقین مانو باپ کا فرمانبردار کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا

نافرمانی کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے

(۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: کُلُّ الذُّنُوْبِ یُؤَخِّرُ اللّٰہُ مِنْھَا مَا شَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلَّا عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّ اللّٰہَ یُعَجِّلُہٗ بِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

(رواہ الحاکم)

''حضرت ابوبکرہؓ (نفیع ابن الحارث) کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا جس گناہ کی سزا چاہتا ہے قیامت کے دن کے لیے ٹال دیتا ہے لیکن ماں باپ کی نافرمانی کی سزا اسی زندگی میں موت سے پہلے ہی جلد دے دیتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کی سزا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے لیے ٹال دیتا ہے اور دنیا میں آدمی اس کے وبال سے محفوظ رہتا ہے، لیکن ماں باپ کی نافرمانی ایک ایسا گناہ ہے کہ اس کا وبال دنیا میں بھی بھگتنا ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔

نافرمان کی نیکیاں بے نتیجہ ہیں

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین گناہ ایسے ہیں جن کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں دیتی۔ ایک تو شرک، دوسرے ماں باپ

کی نافرمانی اور تیسرے جہاد سے بھاگنا۔

ایک اور صحابی عمرو بن مرۃؓ فرماتے ہیں کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں۔ میں پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرتا ہوں، اپنے مال کی زکوٰۃ دیتا ہوں، رمضان کے روزے رکھتا ہوں، (یہ سن کر) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس کا خاتمہ ان باتوں پر ہوا وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہوگا (اور آپؐ نے ہاتھ کی دو انگلیاں اٹھائیں) بشرطیکہ وہ والدین کا نافرمان نہ ہو۔

ماں کی نافرمانی

وَعَنْ اَبِیْ عِیْسَی الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ اللهَ تَعَالٰی حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ، وَ مَنْعًا وَّهَاتِ، وَ وَأْدَ الْبَنَاتِ، وَ کَرِهَ لَکُمْ قِیْلَ وَقَالَ، وَ کَثْرَۃَ السُّؤَالِ، وَاِضَاعَۃَ الْمَالِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت ابوعیسیٰ مغیرہ ابن شعبہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کردی ہے ماؤں کی نافرمانی، بخل وحرص اور زندہ بچیوں کو دفن کرنا اور ناپسند فرمایا ہے تمہارے لیے بلاوجہ کی گفتگو، بہت زیادہ سوالات اور مال برباد کرنا۔“

یہ حدیث بڑی ہی جامع ہے، جامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے فقروں میں ہدایتوں کے دفتر سمیٹ دیئے ہیں۔ ہر مومن اور مومنہ کو چاہیے کہ اپنی تربیت اور تزکیہ کے لیے اس طرح کی جامع ہدایتوں کو یاد کرے اور ہر وقت نگاہ کے سامنے رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چند لفظوں میں چھ اہم ہدایتیں دی ہیں۔ تین باتیں تو وہ ہیں جن کو خدا نے ہمارے لیے حرام قرار دیا ہے اور تین وہ ہیں جن میں ہمارا ابتلا ہونا خدا کو ناپسند ہے۔

جن تین باتوں کو خدا نے صاف صاف حرام فرمایا ہے انھیں اختیار کرنا کیا معنی خدا پر ایمان رکھنے والی کوئی خاتون ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ رہیں وہ باتیں جن کو خدا نے ناپسند فرمایا ہے، تو وہ ان کو بھی ہلکا نہ سمجھے گی۔ کسی بات سے بچنے اور رکنے کے لیے

کسی مومنہ کو یہ معلوم ہو جانا بالکل کافی ہے کہ خدا نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

وہ تین باتیں جن کو خدا نے حرام قرار دیا ہے، یہ ہیں:

☆ ماؤں کی نافرمانی۔

☆ بخل اور حرص۔

☆ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

ماؤں کی نافرمانی

اس حدیث میں صرف ماں کی نافرمانی سے بچنے کی خصوصی تاکید کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح آپ باپ کے مقابلے میں ماں کی خدمت بجالانے میں زیادہ مستعد رہتی ہیں، اور باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھ سلوک کرنے کا زیادہ اہتمام فرماتی ہیں اسی طرح آپ کو ماں کی نافرمانی سے بچنے میں بھی زیادہ چست اور حساس ہونا چاہیے۔ ماں کے جذبات انتہائی نازک ہوتے ہیں۔ اس کا دل بہت ہی کمزور ہوتا ہے، اور معمولی سی بات سے بھی اس کے دل کو ٹھیس لگ سکتی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ لاپروائی میں کسی معاملے کو بہت ہلکا سمجھ رہی ہوں اور ماں کے دل پر اس سے چوٹ لگے۔ اس کے جذبات مجروح ہوں، رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ماں کے جذبات واحساسات، عادات ومزاج اور پسند و ناپسند کا پورا پورا خیال رکھیں اور ماں کو دکھ دینے، نافرمانی کرنے اور دل توڑنے کا خیال تک بھی ذہن میں نہ لائیں۔ ماں کی ہستی وہ ہے جس کی خدمت کا صلہ جنت کا سدابہار باغ اور ماں کی رضا کا اجر خدا کی رضا کا گھر ہے، اگر آپ خدا کی رضا کا گھر جنت چاہتی ہیں تو ماں کی خدمت واطاعت میں خود کو گم کر دیں۔

بخل اور حرص

حدیث میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایک منعًا اور دوسرا ھات، ''منعًا'' کے معنی یہ ہیں کہ آدمی پر دوسرے کا جو مال اور حق واجب ہے وہ اسے دینے میں ہچکچائے، طرح طرح سے رکاوٹیں ڈالے، نہ وہ کسی کی مالی مدد کرنے کو تیار ہو اور نہ اخلاقی۔ ''ہات'' کے معنی

ہیں لاؤ۔ یعنی وہ دوسروں سے لینے میں بہت چاق وچوبند ہو، دوسروں سے نہ صرف اپنا حق مانگتا ہو بلکہ حق وناحق سے بے نیاز ہو کر بس سمیٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہو، بخل وحرص کا یہ طرزِ فکر ایک مومنہ کے مزاج سے ہرگز میل نہیں کھاتا۔ اس کے لینے اور دینے کے پیمانے ایک ہوتے ہیں، وہ دوسروں سے جن حقوق کا مطالبہ کرتی ہے اور جس سلوک کی توقع رکھتی ہے، دوسروں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتی ہے، اور انتہائی فراخدلی سے ان کے حقوق ادا کرتی ہے، بلکہ وہ اس معاملے میں اس حد تک فیاضی اور کشادہ دلی کا ثبوت دیتی ہے کہ اگر کوئی اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، یا اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تب بھی وہ اس کے ساتھ احسان اور بھلائی کا معاملہ کرتی ہے۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا

اسلام سے پہلے عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا ظالمانہ رواج تھا۔ اولاد کو قتل کرنے کی دو شکلیں اور بھی تھیں، بہت سے مشرکین اپنے تراشے ہوئے بتوں پر بھینٹ چڑھانے کے لیے بھی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے، اور بہت سے نادان فقرو فاقہ کے خیالی خوف سے بھی اپنی پیاری اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے۔ لیکن حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لڑکیوں کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ رسم سفا کی، سنگ دلی اور ظلم کی ایسی گھناؤنی اور لرزہ خیز شکل تھی جس کے تصور ہی سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے آکر اس ظالمانہ ذہنیت کو بدلا۔ لڑکی کو اس ذلت وظلم سے نجات ملی، اور گھروں میں اس کے ساتھ نرمی، رحمت اور پیار ومحبت کا سلوک ہونے لگا۔

آج اگرچہ ہمارا معاشرہ اسلام کی بدولت لڑکیوں کو زندہ دبانے کی لعنت سے پاک ہے لیکن دینی شغف کی کمی اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کے باعث بعض گھروں میں لڑکی سے وہ محبت نہیں کی جاتی جو لڑکے سے کی جاتی ہے۔ لڑکی کی پیدائش پر وہ خوشیاں نہیں منائی جاتیں جو لڑکے کی پیدائش پر منائی جاتی ہیں اور بعض نادان تو لڑکی کو اس سلوک و محبت سے بھی محروم رکھتے ہیں جو وہ لڑکوں کے ساتھ کرتے ہیں، بالخصوص شادی ہونے کے بعد تو وہ گویا غیر بن جاتی ہے، اور بعض ظالم تو اس کو وہ حصہ دینے کے بھی روادار نہیں ہوتے

جو اسلام نے مقرر کیا ہے، اس گندی ذہنیت کا بھی اسلام سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تین باتیں بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ناپسند کی ہیں:

☆ خواہ مخواہ باتیں بنانا۔

☆ بہت زیادہ سوالات کرنا۔

☆ اور مال کو برباد کرنا۔

خواہ مخواہ باتیں بنانا

باتیں بنانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان کے معاملے میں کوئی ذمّے داری محسوس نہ کرے، جو جی میں آئے کہتا پھرے، جو سن لے دوسروں کو سنانے لگے اور اس تحقیق کی ضرورت ہی نہ سمجھے کہ یہ بات واقعے کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ فلاں محترمہ یہ کہہ رہی تھیں، فلاں بیگم کا یہ خیال تھا، فلاں خاتون کی رائے یہ تھی۔ یہ خواہ مخواہ کی روایتیں اور بے کار گفتگو ایک مومنہ کو زیب نہیں دیتی۔ مشہور مقولہ ہے جس کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں اس کی خطائیں زیادہ ہوتی ہیں۔ (من کثر کلامه، کثر خطاءہٗ) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے کہ ”جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ یا تو کوئی بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔“ (مسلم)

بہت زیادہ سوالات کرنا

بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں ایک جگہ جمع ہوئیں، بس ایک دوسرے پر سوالات کی بوچھاڑ کرنے لگیں، خاندان بھر کے بارے میں سوالات ہونے لگے۔ اری بہن، وہ تمہاری نند کا کیا معاملہ تھا؟ تمہارا اور تمہاری ساس کا کیا جھگڑا تھا؟ سمدھیانے سے کیا آیا تھا کیا گیا؟ تمہارے میاں، بچوں سے محبت کرتے ہیں یا نہیں؟ پڑوسن کے یہاں کچھ بھیج دیتی ہو کہ نہیں؟ لڑکی کا کہیں سے پیغام آیا؟ غرض گھر، باہر، کاروبار، معاملات، تعلقات کی کوئی بات ہو یہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین

ہوں گی اور پھر یہ اصرار بھی ہوگا کہ کوئی بات چھپائی نہ جائے۔ اب ان کے بے جا اصرار اور بے ضرورت سوالات کے جواب میں یا تو آپ غلط بیانی پر مجبور ہوں، یا بات ٹالنے کی کوشش کریں، یا پھر صاف صاف انکار کر کے ان کی ناراضی مول لیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی دوسرے کو نہیں بتانا چاہتا، خاص طور پر گھریلو معاملات مگر یہ ناک سکیڑ سکیڑ کر، ماتھے پر شکنیں ڈال ڈال کر آپ کو قائل کرنے کی بے جا کوشش کریں گی کہ اونہہ .... یہ تو کچھ بتاتی ہی نہیں .... پھر جو کچھ آپ سے معلوم کریں گی وہ دوسروں سے بیان کریں گی اور جگہ جگہ اپنی رائے کا اظہار ہوگا۔ اسی طرح دوسروں کے حالات اور معاملات آپ کو سنانے کے لیے بے قرار ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی عورتیں زندگی کی قدر و قیمت سے غافل ہیں اور نادانی میں ایک ایسے معاشرتی جرم کا ارتکاب کر رہی ہیں جس سے معاشرے کی طمانیت، خاندانوں کا اتحاد، اور گھریلو سکون خواہ مخواہ برباد ہوتا ہے، بلاوجہ کرید اور لگائی بجھائی سے معاشرے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور قسم قسم کی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ دینی مسائل میں خواہ مخواہ کرید کریں گے۔ نئے نئے سوالات پوچھیں گے اور یہ سب کچھ محض دماغی ورزش اور ذہنی عیاشی کے لیے ہوتا ہے، ایسے لوگ عام طور پر عمل میں پیچھے ہوں گے لیکن اپنی معلومات سے مرعوب کرنے اور اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کے لیے بڑی باریک باریک باتیں پوچھیں گے، بال کی کھال نکالیں گے۔

......مومن مرد اور مومن عورت کا کام یہ ہے کہ وہ زندگی کی قدر کرے،

...... اسے بہترین مصرف میں لگائے اور ہر وقت یہ بات سامنے رکھے کہ خدا کو یہ بات ناپسند ہے کہ ہم اپنا وقت غیر ضروری سوالات میں صرف کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔“ (ترمذی)

مال کو برباد کرنا

مال کو برباد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس کی حفاظت کا مناسب بندوبست نہ کرے۔ اس کو دینی ضرورتوں میں صرف نہ کرے۔ دکھاوے اور نام و نمود کے لیے، بے جا

رسموں، بے حیائی کے کاموں، اور بے دینی کے مشغلوں میں لٹائے۔ مال خدا کی امانت ہے، اور یہ خدا کی مرضی کے مطابق ہی صرف ہونا چاہیے۔

گھر کا ساز وسامان، برتن، بستر، فرنیچر اور گھڑی، پین، کتابیں، کاغذ غرض برتنے کی ہر چیز خدا کی نعمت بھی ہے اور امانت بھی، سلیقہ مند خاتون کا کام یہ ہے کہ وہ ان کو سلیقے سے استعمال کرے، ان کی حفاظت کرے، اپنی لاپروائی اور پھوہڑ پن سے ان کو ضائع نہ کرے۔ یہ اندازِ فکر صحیح نہیں ہے کہ ہمارے پاس برتنے اور کام لینے کی جو چیزیں ہیں ان کو جس طرح چاہیں استعمال کریں اور جب چاہیں ضائع کر دیں۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہم اس کی نعمت اور امانت کی قدر نہ کریں اور اس کو ضائع کریں۔

ماں کی بددعا

دین ودنیا کی سعادت یہ ہے کہ ماں آپ سے خوش ہوں اور وہ مامتا بھرے دل سے آپ کے لیے دعائیں کریں اور دین ودنیا کی ذلت اور تباہی یہ ہے کہ ماں کا دل آپ کی طرف سے میلا ہو اور وہ دکھی دل سے خدانخواستہ آپ کے لیے بددعا کریں۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین دعائیں ایسی ہیں جن کے قبول ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے (۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) اور اولاد کے حق میں ماں باپ کی دعا۔''

پہلے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، جن کا نام جریجؒ تھا۔ حضرت جریجؒ بڑے ہی نیک، عبادت گزار اور پارسا آدمی تھے۔ ہر وقت شہر سے دور اپنی خانقاہ میں عبادت کرتے رہتے، ایک چرواہا جو دن بھر گائے بکریاں چراتا رات کو ان کی خانقاہ میں پڑ رہتا۔

ایک دن حضرت جریجؒ کی ماں ان سے ملنے آئی۔ حضرت جریجؒ نماز پڑھ رہے تھے، ماں نے ان کو پکارا جریجؒ! حضرت نے دل میں سوچا اب کیا کروں، ماں کا جواب دوں کہ نماز پڑھوں؟ آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ خاموش رہیں، اور نماز پڑھتے رہیں۔ دوسرے دن پھر یہی ہوا، ماں آئیں اور ان کو پکارنے لگیں۔ آپ پھر یہی سوچ کر خاموش رہے، نماز پڑھتے رہے اور ماں کی آواز کا جواب نہیں دیا۔ تیسرے دن پھر ماں بیٹے کے پاس آئیں

اور آواز دینے لگیں۔ حضرت جریجؒ یہی سوچ کر کہ آخر نماز میں کیسے جواب دوں، خاموش رہے، یہ دیکھ کر ماں کو بہت دکھ ہوا اور غصے میں بددعا کی کہ اے اللہ! جریجؒ کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک کہ بری عورتوں سے اس کا پالا نہ پڑے۔

یہ کہہ کر ماں اداس وہاں سے چلی گئیں۔ کچھ ہی عرصہ بعد ایک دن بنی اسرائیل کے لوگ حضرت جریجؒ کی نیکی اور عبادت کا تذکرہ کر رہے تھے کہ وہاں کی ایک انتہائی خوبصورت عورت بول اٹھی: ''تم کہو تو میں اس کو گناہ میں پھانس دوں۔'' اس کے بعد وہ عورت حضرت جریج علیہ السلام کے پاس خانقاہ میں پہنچی اور انھیں پر چانے لگی۔ خدا نے حضرت جریجؒ پر اپنی رحمت فرمائی اور وہ بدکار عورت کے جال سے صاف بچ گئے۔ ان سے مایوس ہو کر وہ عورت اس چرواہے کے پاس پہنچی جو حضرت کی خانقاہ میں رات کو سورہتا تھا۔ وہ اس کے پھندے میں آگیا اور اپنا منہ کالا کر بیٹھا۔ پھر جب اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ جریج کا لڑکا ہے، جب یہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ جاؤ اور اس کی خانقاہ ڈھا دو اور اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

لوگ حضرت جریجؒ کی خانقاہ پر پہنچے، ان کی خانقاہ کھود پھینکی، اور انھیں خوب مارا پیٹا۔ پھر ان کی مشکیں باندھ کر بادشاہ کے پاس لائے۔ جب لوگ انھیں باندھے ہوئے لے جا رہے تھے تو راستے میں کچھ بدکار عورتیں انھیں اس حالت میں دیکھ کر ہنسنے لگیں۔ ان کو ہنستا دیکھ کر حضرت جریجؒ بھی کچھ مسکرائے۔

بادشاہ نے حضرت جریجؒ سے کہا: یہ عورت کیا کہتی ہے؟ آپ نے کہا فرمایئے کیا کہتی ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ کہتی ہے کہ بچہ جریجؒ کا ہے۔ جریجؒ نے کہا، بچے کو سامنے لایا جائے۔ جب بچہ آیا تو آپ نے کہا مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دی جائے۔ آپ نے نماز پڑھی، جب فارغ ہوئے تو آپ نے اپنی انگلی بچے کے پیٹ میں ماری اور فرمایا: بتا بچے! تیرا باپ کون ہے؟ خدا کے حکم سے بچے کی زبان کھل گئی اور اس نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے پھر کیا تھا لوگوں نے حضرت جریجؒ کے ہاتھ پاؤں چومنا شروع کیے۔ ان سے معافی مانگنے لگے۔ بادشاہ بھی بہت متاثر ہوا اور اس نے حضرت جریجؒ سے کہا: حضرت! آپ کی خانقاہ سونے کی

بنوادوں؟ آپ نے فرمایانہیں۔ پھر بولا اچھا چاندی کی بنوادوں؟ آپ نے فرمایانہیں بس آپ ویسی ہی مٹی کی بنوادیجئے جیسی پہلے تھی۔

بادشاہ نے کہا اچھا حضرت ایک بات اور بتائیے وہ یہ کہ جب راستے میں کچھ بدکار عورتیں آپ کی ہنسی اڑارہی تھیں تو آپ مسکرائے کیوں تھے؟ آپ نے فرمایا یہ ایک ایساراز ہے جسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا میری ماں کی بددعا کا نتیجہ تھا۔ مجھے ماں کی بددعا لگی تھی۔اور پھر آپ نے ماں کی بددعا کا پورا واقعہ تفصیل سے سنایا۔

ماں کی نافرمانی کا عبرتناک انجام

دور رسالت کا ایک بہت ہی ہولناک واقعہ ہے جس کے سننے ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ایک بار کئی صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! ایک نوجوان کی جان کنی کا وقت ہے،لوگ اسے کلمۂ شہادت پڑھنے کی تلقین کر رہے ہیں لیکن اس کی زبان ہی نہیں کھلتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا یہ شخص نماز پڑھتا تھا۔ بولا جی ہاں! نماز تو پڑھتا تھا۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور اس کے ساتھ ہو لیے، ہم لوگ بھی پیچھے پیچھے چلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوجوان کے پاس پہنچے، نزع کا وقت تھا، آپؐ نے اسے تلقین فرمائی کہ کلمہ پڑھو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وہ بولا یارسول اللہ مجھ سے نہیں کہا جاتا۔آپؐ نے پوچھا آخر کیوں؟ کیا بات تھی، معلوم ہوا کہ وہ ماں کی نافرمانی کرتا رہا ہے، آپؐ نے لوگوں سے پوچھا اس کی ماں زندہ ہیں؟ لوگوں نے بتایا جی ہاں ماں زندہ ہیں۔آپؐ نے حکم دیا کہ اس کی ماں کو بلا کر لاؤ۔ جب اس کی بوڑھی ماں آئیں تو آپؐ نے ان سے کہا: بڑی بی! کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ وہ بولیں جی ہاں! میرا ہی بیٹا ہے۔آپؐ نے فرمایا: بڑی بی یہ تو بتاؤ اگر ایک خوفناک آگ بھڑکائی جائے تو تم سے کہا جائے کہ اگر اس کی سفارش کرو تو ہم اس کو چھوڑتے ہیں ورنہ اس کو الاؤ میں جھونکے دیتے ہیں تو کیا تم اس کی سفارش کروگی؟ بڑھیا بولی جی ہاں! اس وقت تو میں ضرور سفارش کروں گی۔ یہ سن کر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بس تو خدا کو اور مجھ کو گواہ بنا کر کہو کہ میں اس سے راضی ہوگئی۔

بڑھیا بولی: اے اللہ! میں تجھے اور تیرے رسولؐ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے

اس جگر کے ٹکڑے سے راضی ہوں۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہو: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ماں کی رضامندی کی برکت سے نوجوان کی زبان کھل گئی اور اس نے فوراً کلمہ پڑھا۔

یہ دیکھ کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی تعریف کی اور فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے وسیلے سے اس نوجوان کو جہنم کی ہولناک آگ سے نجات بخشی۔ (طبرانی، احمد)

والدین سے سلوک کے فوائد، ایک نظر میں

(1) خدا کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ماں باپ ہیں۔ آدمی کے پیدا ہونے، پلنے بڑھنے میں خدا کے بعد سب سے بڑا سہارا اور ذریعہ ماں باپ ہیں۔ اگر آپ ان کے احسانات کا انکار کریں گی تو خدا کے احسانات کا انکار کریں گی اور ان کی شکرگزار رہیں گی تو اپنے خدا کی شکرگزار رہیں گی۔ ماں باپ کی شکرگزار بیٹی خدا کی شکرگزار بندی ہے۔

(2) ماں باپ کو خوش رکھیے تو خدا آپ سے راضی رہے گا اور اگر ماں باپ کو آپ نے اپنی کسی نادانی یا نافرمانی سے ناخوش کیا تو خدا بھی آپ سے ناخوش ہوگا۔ ماں باپ کی خوشی میں خدا کی خوشی ہے اور ماں باپ کی ناراضی میں خدا کی ناراضی ہے۔

(3) ماں باپ کے ساتھ سلوک اور ان کی خدمت جہاد جیسے عظیم ترین عمل کے برابر ہے بلکہ بعض حالتوں میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر آپ ان کی خدمت کریں گی تو مجاہدوں کی طرح خدا کا دین قائم کرنے والوں میں ہوں گی اور خدا کی نظر میں آپ کا وہ درجہ ہوگا جو میدانِ جہاد میں خدا کی خاطر جان لڑانے والوں کا ہوتا ہے۔

(4) ماں باپ کی خوشنودی نجات کی ضمانت ہے، اگر آپ ماں باپ کی رضامندی کے کام کرتی رہیں تو خدا نجات بخشے گا۔

(5) خدا نے جس کسی کو بھی والدین کی خدمت کا موقع دیا ہے دراصل اس بات کا موقع دیا ہے کہ وہ جنت کی تیاری کرے، اگر آپ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا تو خدا آپ کو

اپنی جنت میں داخل فرمائے گا۔اور اگر آپ نے اس موقع کو ضائع کیا تو اپنے انجام کو تباہ کیا۔

(6) خدا کے گھر کی زیارت اور حج وعمرہ کرنا اہم ترین عبادت ہے۔ اگر ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتی رہیں اور ان کے خدمت بجالاتی رہیں تو خدا آپ کو وہی اجر دے گا جو حج اور عمرہ کرنے والے کو دیتا ہے۔

(7) اگر آپ ماں باپ کا ادب واحترام کریں گی تو آپ کی اولاد آپ کا ادب واحترام کرے گی۔ آپ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کریں گی تو خدا آپ کی اولاد کو بھلائی کی ہدایت دے گا اور یہ توفیق بخشے گا کہ وہ جوانی میں آپ کو آرام پہنچائے۔

(8) والدین کی خدمت واطاعت تمام مصیبتوں اور غموں سے نجات کا ذریعہ ہے، اگر آپ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتی رہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں کے بُرے انجام سے محفوظ رکھے گا۔

(9) والدین کی خدمت واطاعت اور ادب واحترام سے کبھی جی نہ چرائیں۔ یہ عمر میں برکت اور روزی میں کشادگی کا باعث ہے، والدین کی فرمانبردار کو خدا ہر طرح کی آسانیوں اور آسائشوں سے نوازتا ہے۔

اولاد کے حقوق

اولاد کی خواہش

اولاد کی خواہش کس کو نہیں ہوتی، کون سا گھر ایسا ہوگا جہاں اولاد کی چاہت نہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ اولاد کے دم سے گھر میں زبردست خیر و برکت اور بڑی ہی رونق رہتی ہے۔ وہ گھر کیسا بے رونق اور سونا معلوم ہوتا ہے جس میں چند معصوم بچے کھیلتے، کودتے، روتے ہنستے اور چھیڑ چھاڑ کرتے نظر نہ آتے ہوں، خاص طور پر عورت تو ایسے گھر کے تصور ہی سے وحشت محسوس کرتی ہے جہاں معصوم بچوں کی چہل پہل نہ ہو، عورت تو اسی امید اور انتظار میں عمر عزیز کی گھڑیاں خوش خوش گزارتی ہے، کہ کب اس کے یہاں خوشی ہوگی، کب اس کا ننھا بچہ اس کی گود میں آئے گا، کب وہ ہمک ہمک کر اس کی طرف لپکے گا، کب وہ اس کو امی امی کہہ کر پکارے گا اور کب وہ اس کی زندگی کے مختلف مرحلوں کی خوشیاں دیکھے گی۔ وہ ان خوشیوں کے لیے ایک ایک دن شمار کرتی ہے، اور اپنی روحانی خوشیوں کی بدولت اپنے اندر زبردست توانائی محسوس کرتی ہے۔ کبھی کبھی جب وہ تصور کے عالم میں اپنی عزیز اولاد کے شاندار مستقبل اور اس کی زندگی کی مسرت انگیز بہاروں کے بارے میں سوچتی ہے، تو دل ہی دل میں اسے اپنی قدر و عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ بڑا ہی روحانی سرور اور فخر سا محسوس کرتی ہے اور پھر وہ شکر کے جذبات سے سرشار ہو جاتی ہے، کہ پروردگار نے اس کے کمزور اور ناتواں وجود پر کتنا عظیم احسان کیا ہے اور اس کے وجود کو انسانی معاشرے کے لیے کتنا قیمتی اور ضروری بنایا ہے۔ خدا نے عورت کی فطرت ہی کچھ ایسی بنائی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اولاد ہی کے لیے سمجھتی ہے، اور اولاد پر ہی اسے قربان کر کے زبردست سکون اور خوشی محسوس کرتی ہے۔ ایک لمبے عرصے تک وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو جسم و جان کا شریک رکھ

کر ایک ایک دن گنتی ہے، اور جب خدا اپنے فضل سے اس کو ایک ننھی جان سے نواز کر اس کی گود بھر دیتا ہے، اور وہ ایک پیار بھری نظر اس ننھی جان پر ڈالتی ہے، تو وہ ایک دم اپنے ذہن و دماغ سے ان تمام جان لیوا دکھوں کے احساس کو جھٹک دیتی ہے جو اس کو اٹھائے اٹھائے پھرنے اور جنم دینے میں اس نے برداشت کی تھیں، اور پھر اس کی پرورش کے لیے قربانیوں کا دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ بچے کے دودھ چھڑانے کا زمانہ قریب آنے لگتا ہے، اور وہ پھر اسی کارنامے کو دہرانے کے لیے دن شمار کرنے لگتی ہے، اولاد کی خاطر وہ بار بار جان کی بازی لگاتی ہے، اور موت کے قریب سے واپس آ آ کر بھی ہمت نہیں ہارتی۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا نے اس کو جو عظیم خدمت سپرد کی ہے اس کے لیے اس نے نہایت فیاضی کے ساتھ قربانیوں کا غیر معمولی جذبہ، دکھوں کو جھیلنے کے لیے بے شمار ہمت و صبر اور اولاد کی پرورش کرنے کے لیے زبردست اخلاقی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔

عورت نہ صرف یہ کہ چاروناچار ان مشقتوں کو برداشت کرتی ہے بلکہ طبعی تقاضوں کے تحت وہ ان مشقتوں کو جھیل کر خوشی اور فخر محسوس کرتی ہے، وہ اولاد کو جنم دینے کی خاطر بار بار مرنے کے لیے آمادہ ہونے کی بے مثال ہمت رکھتی ہے اور ان کی پرورش و نگہداشت کے لیے وہ اپنی خواہشات، جذبات اور حسن و جوانی سب کچھ قربان کرتے رہنے میں سکون اور مسرت محسوس کرتی ہے۔

مسلمان عورت کا امتیاز

اور اگر اس کا ذہن و فکر اسلامی ہو تو وہ مشقت اور دکھ کے ہر ہر مرحلے سے گزرتے ہوئے یوں سوچتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں جہاد کر رہی ہے، اور وہ خدا کی عبادت میں مشغول ہے۔ اسلام ہر خاتون کے دل میں یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ عورت کے ان فطری اور طبعی اعمال و وظائف کے فوائد و ثمرات دنیا کی اس زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس کی مشقت و تکلیف اور ایثار و قربانی کا ہر ہر عمل خدا کی نظر میں عبادت اور جہاد کے برابر ہے۔ ہر عورت جو اِن مصائب کو جھیل رہی ہے اور اولاد کے لیے قربانی دے رہی ہے وہ درحقیقت میدانِ جہاد میں سرگرم عمل ہے اور خدا کی عبادت میں لگی ہوئی ہے۔ اس جہاد اور عبادت کے دنیوی فوائد بھی ہیں، لیکن

مسلمان عورت کی نگاہ ان ابدی نعمتوں پر بھی رہتی ہے جو آخرت میں حاصل ہوں گی۔ مسلمان عورت کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اولاد کی خاطر طرح طرح کے دکھ جھیل کر اور اپنی خواہشات اور جذبات اور حسن وجوانی قربان کر کے اس کے بدلے میں دنیوی فوائد وثمرات ہی نہیں پاتی جو کبھی حاصل ہوتے ہیں اور کبھی حاصل نہیں بھی ہوتے بلکہ وہ آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی میں خدا کی خوشنودی اور جنت پائے گی، وہ جنت جہاں اس کی ہر خواہش پوری کی جائے گی، ہر جذبے کی تسکین کا سامان مہیا کیا جائے گا، اور اس کو ایسا حسن، ایسی جوانی بخشی جائے گی، جس پر کبھی زوال نہ آئے گا اور جو بڑھاپے کے اندیشوں سے محفوظ ہوگی۔

اسلامی اندازِ فکر کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کبھی سُوءِ اتفاق سے مسلمان عورت اپنی فطری ذمّے داریوں کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے بعد خلاف توقع دنیوی فوائد سے محروم بھی رہے تو اس پر نہ تو مایوسی طاری ہوگی اور نہ وہ اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرے گی۔ وہ نہایت خوش دلی، سکون اور دلی جذبے کے ساتھ برابر اپنے فرائض انجام دیتی رہے گی، اولاد کے لیے ہر طرح کے دکھ سہنے اور پیہم قربانیاں دینے کے باوجود بھی اگر اس کو اولاد سے کوئی سکھ نہ ملے اور اولاد اس کی امیدوں پر پانی پھیر کر اس کے خوابوں کی تعبیر نہ بن سکے تب بھی وہ مایوسی کا شکار ہو کر اپنے کیے پر نادم نہ ہوگی۔ اور نہ آئندہ کے لیے اس سلسلے میں کسی غلط انداز سے سوچے گی، اس لیے کہ ہر عمل کے اصل نتائج جو مومن خاتون کے لیے اصل محرک بنتے ہیں وہ اخروی نتائج ہیں، وہ یہ سوچ کر ہمیشہ اطمینان محسوس کرتی ہے، کہ میرے عمل کا اجر خدا آخرت میں دے گا اور اتنا کچھ دے گا کہ نہ اپنے کیے پر میرے لیے پچھتانے اور غم کرنے کا کوئی سوال ہوگا اور نہ یہ اندیشہ ہی پریشان کرے گا کہ وہاں کا ملنے والا اجر کبھی مجھ سے چھینا جائے گا۔ اس لیے وہ اپنے وظائف حیات کو سرتاسر عبادت اور راہ خدا میں جہاد تصور کر کے مسلسل سرگرم عمل رہتی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْمَرْأَۃُ اِذَا حَمِلَتْ کَانَ لَھَا اَجْرُ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُخْبِتِ الْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اِذَا ضَرَبَھَا الطَّلَقُ فَلَا تَدْرِیْ الْخَلَائِقُ مَا لَھَا مِنَ الْاَجْرِ وَ اِذَا وَضَعَتْ کَانَ لَھَا بِکُلِّ مَصَّۃٍ اَوْ رَضْعَۃٍ اَجْرُ نَفْسٍ تُحْیِیْھَا وَ اِذَا اَفْطَمَتْ ضَرَبَ الْمَلَکُ عَلٰی مَنْکِبِھَا وَ قَالَ

اِسْتَانِفِی الْحَمَلَ (کنزالعمال)

''عورت جب امید سے ہوتی ہے تو حمل کے اس پورے عرصے میں ویسا ہی اجر وثواب پاتی ہے جیسا اجر وثواب ایک روزے دار، شب بیدار، اطاعت گزار اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے بندے کو ملتا ہے، اور بچے کی پیدائش کے وقت دردزہ کی تکلیف کے بدلے جو اجر وثواب ہے اس کے بارے میں مخلوق اندازہ نہیں لگاسکتی کہ وہ کیا کچھ اور کتنا کچھ ہے اور جب اس کی کوکھ سے بچہ جنم لیتا ہے (اور وہ اسے اپنا دودھ پلا پلا کر پالتی ہے) تو دودھ کے ہر ہر گھونٹ پر اس کو وہ اجر و ثواب ملتا ہے، جو کسی کو زندگی عطا کردینے کا ہوسکتا ہے، اور جب (ایک مدت تک دودھ پلا کر) دودھ چھڑاتی ہے تو خدا کا فرشتہ (احترام ومحبت سے) اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس سے کہتا ہے، (خدا کی بندی) اب دوسرے حمل کے لیے تیاری شروع کردے!''

ماں کی توقعات

عورت جو بار بار اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے، جسم اور جان کی قوتیں گھلا گھلا کر اپنی نسل کو جنم دیتی اور پروان چڑھاتی ہے، وہ بجا طور پر اپنی نسل سے کچھ توقعات رکھتی ہے۔ اس کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کا مستقبل شاندار ہو، اس کی اولاد سعادت مند اور خدمت گزار ہو، ماں کے افکار ونظریات کے مطابق مستقبل کی بہترین معمار ہو، والدین کی دینی اور تہذیبی روایات کی محافظ ہو، اطاعت گزاری اور فرماں برداری میں اپنی مثال آپ ہو۔ اور جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کی اولاد اس کے خوابوں کی سچی تعبیر ہے، وہ اس کی آرزوؤں کے مطابق پروان چڑھ رہی ہے اور خدا نے اس کو عروج اور سعادت کی ان بلند منزلوں پر پہنچا دیا ہے، جس کے بارے میں یہ کبھی اپنی تنہائیوں میں سوچا کرتی تھی، تو اس کی خوشی اور فخر کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اولاد سے عام شکایت

لیکن یہی اولاد، جس کی خدمت میں نحیف ماں نے دن رات مشغول رہ کر اپنے جسم و جان کی قوتیں گھلا دیں اور جھولی پھیلا کر ان کے لیے ہر وقت دعائیں کرتی رہی، اگر ماں کی امیدوں پر پانی پھیر دے اور اس کی توقعات کے خلاف وہ نافرمان اور باغی بن کر اٹھے تو

اندازہ کیجئے اس ماں کا کیا حال ہوگا۔اس کی روحانی اذیت اور دلی رنج وغم کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔

آج کے دور میں چند خوش نصیب گھرانوں کو چھوڑ کر ہر گھر میں یہی رونا ہے کہ اولاد بے کہی ہوگئی ہے، بیٹے ہوں یا بیٹیاں، ماں باپ کے حقوق سے غافل ہیں، ماں باپ کا ادب واحترام اور فرماں برداری کا جذبہ جیسے دلوں سے بالکل ہی نکل چکا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک، ان کی خوشنودی کا خیال، ان کی خدمت وفرماں برداری، ان کا ادب واحترام، ان کے جذبات کا پاس ولحاظ یہ سب گویا بے معنی الفاظ ہیں۔ایک عام سی شکایت ہے کہ اولاد نافرمان، باغی اور سرکش اٹھ رہی ہے، جس مجلس میں بیٹھیے، جس گھر میں جائیے، آپ یہی سنیں گی اور والدین یہی رونا روتے ہوئے نظر آئیں گے۔ پھر کچھ بڑی بوڑھیاں آپ کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہنا شروع کریں گی، ارے بیٹی! ایک ہمارا زمانہ تھا بھلا کیا مجال کہ اولاد ماں باپ کے سامنے اونچی آواز میں بات بھی کر سکے، اور پھر ماحول کی خرابی، زمانے کی رنگارنگی، غلط اور گمراہ کن افکار ونظریات کی اشاعت، فحش لٹریچر، بے اخلاق تعلیم اور آزادروی کی رنجیدہ شکایت کی طویل داستان شروع ہو جائے گی اور ہر خاتون ایک طرح کا اطمینان محسوس کرتے ہوئے یوں سوچے گی، ان حالات میں یہی کچھ ہونا بھی چاہیے ماں باپ کے بس کی کیا بات ہے، یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے۔

ماں باپ کے سوچنے کی باتیں

بے شک ماں باپ کے بس میں سب کچھ تو نہیں ہے لیکن ماں باپ کے بس میں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے رویے کے بارے میں غور کریں اور خدا کے دین کی روشنی میں اپنے عمل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ اولاد کی تعلیم وتربیت اور پرورش کے انداز سے متعلق خدا نے ماں پر جو ذمّے داریاں عائد کی ہیں کہیں ان ذمّے داریوں کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے، اولاد کی آئندہ زندگی سے متعلق خود آپ کی آرزوؤں میں کوئی الجھاؤ تو نہیں ہے؟ ان کے جو حقوق آپ پر اللہ تعالیٰ نے عائد کیے ہیں، کہیں ان کو ادا کرنے میں آپ کوتاہ تو نہیں ہیں؟ اولاد آپ کی آرزوؤں کو اسی وقت پورا کرسکتی ہے جب آپ بھی ان کے

حقوق سے غفلت نہ برتیں۔ اولاد کو آپ جن اخلاقی خوبیوں سے آراستہ دیکھنا چاہتی ہیں اور جس سعادت مندی، خدمت گزاری، فرماں برداری اور نیک برتاؤ کی آپ ان سے توقع رکھتی ہیں، وہ آرزو اور توقع پوری ہوسکتی ہے، اگر آپ ان ذمّے داریوں کا احساس کریں اور پوری تن دہی اور دلی آمادگی کے ساتھ ان کو پورا کریں، اولاد کی نافرمانی اور سرکشی بے شک بڑے دکھ کی بات ہے، لیکن یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ان کی یہ پرورش ماں باپ کی کسی مجرمانہ غفلت اور فرائض کی کوتاہی کا نتیجہ تو نہیں، وہ اولاد آپ کے حقوق کا احساس کیسے کرسکتی ہے، جس کو آپ نے حقوق کا احساس دلایا ہی نہیں، وہ اولاد ماں باپ کی خدمت واحترام کی بات کیسے سوچ سکتی ہے جس کو کبھی بتایا ہی نہیں گیا کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب و احترام اولاد کا فرض ہے۔ اگر آپ نے ان کے جذبات واحساسات کا خیال نہیں رکھا ہے، تو وہ آپ کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنا کس سے سیکھے، اگر آپ نے ان سے محبت نہیں کی ہے، اور اپنے سلوک سے ان کو یہ تاثر دیا ہے کہ ان کی پرورش کی پریشانیوں کے مقابلے میں آپ کو ان کی موت زیادہ پسند ہے، تو وہ آپ سے محبت کرنے اور آپ کی خدمت بجا لانے کی بات کیسے سوچے، اگر آپ نے اپنے عیش وآرام کو سب کچھ سمجھا ہے اور ان کی ضرورتوں کی طرف سے غفلت برتی ہے تو وہ آپ کی ضرورتوں کا احساس کہاں سے لائے، اگر آپ معاشرے کی اصلاح اور تہذیب وتمدن کی تعمیر کے لیے کچھ خاص افکار ونظریات رکھتی ہیں تو آپ کی اولاد ان نظریات کی حامل کیسے بن سکتی ہے۔ اگر آپ نے اولاد کے دل میں ان کی قدر وعظمت بٹھانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اولاد سے وہی توقعات رکھیے، جن کے لیے آپ نے اس کو تیار کیا ہے اور اسی طرح کے سلوک کی امید کیجئے جس طرح کا سلوک آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے۔

''حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد (حضرت بشیرؓ) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچے، اور آپؐ سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپ گواہ بن جائیے کہ میں نے نعمان کو فلاں فلاں چیزیں بخش دی ہیں، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی طرح کے عطیات بخشے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، سب کو تو نہیں بخشے

ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو پھر کسی اور کو گواہ بناؤ، اور پھر فرمایا کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں نیک سلوک کریں۔ بشیرؓ نے جواب دیا کیوں نہیں، تو آپؐ نے فرمایا، پھر ایسا نہ کرو۔'' (الادب المفرد)

اس حدیث کا یہ ٹکڑا خاص طور پر قابل غور ہے، ''کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں نیک سلوک کریں؟'' یعنی بچہ آپ کے سلوک سے ہی یہ سبق سیکھتا ہے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔

بچے کی سیرت و کردار کے بنانے بگاڑنے میں والدین کے علاوہ بھی بہت سے عوامل کا دخل ہوتا ہے۔ تعلیم، ماحول، ساتھی، عزیز و اقارب اور خود نظامِ حکومت اور یہ سب اپنی اپنی حد تک اس کے بناؤ یا بگاڑ کے ذمّے دار بھی ہیں، لیکن اس وقت صرف ماں باپ کے بارے میں گفتگو کرنا ہے، کہ اولاد کے تعلق سے ان کی ذمّے داریاں کیا کیا ہیں اور ان پر اولاد کے کیا کیا حقوق ہیں۔

اولاد کے حقوق کا واضح شعور

ہر ماں یہی چاہتی ہے کہ اس کی اولاد اس کے لیے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، دنیا اور آخرت میں اس کے لیے عزت و راحت کا سامان ہو اور اس کے خاندان اور معاشرے کے لیے خیر و رحمت ثابت ہو۔ آپ کی یہ خواہش بے شک قابلِ قدر ہے مگر کوئی بھی خواہش محض دعاؤں سے پوری نہیں ہوتی، آپ کی دعائیں بھی مبارک، آپ کی آرزوئیں بھی مبارک، مگر محض دعاؤں اور آرزوؤں سے کسی مقصد میں کامیابی ممکن نہیں، جب اپنی دعاؤں اور آرزوؤں کے مطابق آپ صحیح طریقے پر کوششوں کا حق نہ ادا کریں۔

اولاد کے اچھے اور بلند مستقبل کی تمنا کون نہیں کرتا، کس ماں کی یہ خواہش ہوسکتی ہے کہ اس کی اولاد برائی کی راہ پر پڑے۔ اولاد کی بدعملی اور بے راہ روی پر کس کا دل نہیں کڑھتا، اولاد اگر رسوا اور ناکام ہو تو کون سی ماں خون کے آنسو نہیں بہاتی اور اولاد کے شاندار مستقبل کو دیکھ کر کون سی ماں باغ باغ نہیں ہوتی۔ مگر محض اچھے جذبات سے آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ اولاد کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ان

کے حقوق کا واضح شعور پیدا کریں، اور ان حقوق کو ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ آپ اپنی ذمّے داریاں بحسن وخوبی ادا کر کے ہی اولاد کو یہ سبق دے سکتی ہیں کہ حقوق اور ذمّے داریاں کس طرح ادا کی جاتی ہیں۔ اگر آپ کو ان کے حقوق کا واضح شعور ہی نہ ہوتو آپ ان کے حقوق کس طرح ادا کر سکیں گی۔

اولاد کے حقوق ادا کرنے میں اس لیے بھی آپ کو سنجیدہ اور سرگرم ہونا ضروری ہے کہ یہ آپ کی دینی ذمّے داری ہے، ان کے حقوق خدا نے مقرر فرمائے ہیں اور وہ ایک دن ان کے بارے میں آپ سے باز پرس بھی کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (متفق علیہ)

''اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے، تم سب (اپنی اپنی حیثیت میں) نگران ہو اور تم سب سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔''

بے شک باپ بھی اپنی اولاد کا نگران اور ان کے حقوق کا ذمّے دار ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ماں کی ذمّے داری کچھ زیادہ ہے، باپ معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرنے کی وجہ سے اکثر اوقات گھر سے باہر رہتا ہے، گھر میں ہر وقت ماں ہی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے اور بچے بھی ماں سے ہی کچھ زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ بچوں پر توجہ دینے کے لیے قدرتی طور پر ماں کو زیادہ وقت ملتا ہے، اور بچے بھی ماں کا اثر کچھ زیادہ قبول کرتے ہیں۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچوں کی ذمّے داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے اور ان کے حقوق کا حق ادا کرنے کے لیے جن اعلیٰ اخلاقی اوصاف وجذبات کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو یہ صفات اور جذبات کچھ زیادہ عطا فرمائے ہیں۔ عورتوں کو صبر وتحمل ایثار وقربانی، رحم اور دل سوزی، نرمی اور محبت کی بنیادی خوبیاں مردوں کے مقابلے میں زیادہ دی گئی ہیں۔ اور اسی لیے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے جو ذمّے داریاں ڈالی ہیں، ان کے ادا کرنے کے لیے، ان صفات کی زیادہ ضرورت تھی۔

اولاد کی قدر و قیمت

اولاد کا پہلا اور اہم حق یہ ہے کہ آپ اس کی قدر و قیمت کا احساس کریں، اس کے وجود کو وبالِ جان سمجھ کر اس سے اکتائیں نہیں بلکہ اس کو اپنے لیے خدا کی رحمت اور انعام سمجھیں۔ اگر آپ اس کے وجود کی قدر و قیمت کا احساس کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں تو پھر اس کے دوسرے حقوق ہرگز نہ ادا کر سکیں گی یا تو دوسرے حقوق ادا کرنے کا موقع ہی آپ نہ آنے دیں گی یا اگر ایسا موقع آیا بھی تو آپ حقوق ادا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گی۔

اولاد کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کے لیے اولاد کی صحیح قدر و قیمت کا جاننا ناگزیر ہے، اولاد خدا کا عظیم انعام ہے، اولاد گھر کی رونق، خیر و برکت اور دین و دنیا کی بھلائی کا سامان ہے، اولاد دنیا میں آپ کی شان اور عظمت بڑھاتی ہے۔ آپ کے لیے زندگی کا سہارا بنتی ہے، آپ کی مثالی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کرتی ہے، آپ کے محبوب افکار و نظریات کی حفاظت اور اشاعت کا ذریعہ بنتی ہے، آپ کی روایات کو باقی رکھتی ہے، اور آپ کی جانشین بن کر آپ کے بعد آپ کے کارناموں کو زندہ رکھتی ہے۔

دین کے لحاظ سے بھی اولاد خدا کا بے مثال انعام ہے، دین کے کاموں میں وہ آپ کی بہترین معین اور جانشین ہے، دینی امور کی انجام دہی میں وہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے، آپ کی دینی روایات و نظریات کی محافظ اور وارث ہے، اسی لیے خدا کے پیغمبر علیہ السلام نے خدا سے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ال عمران 38:3

''میرے رب! تواپنے پاس سے مجھے پاکباز اولاد عطا فرما۔''

اوردعا کی غرض یہ تھی کہ وہ ان کے بعد ان کا دینی وارث بنے اور باپ کے مشن کو پورا کرے:

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ مریم19:6-5

''(میرے رب) تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے۔''

یعنی خانوادۂ یعقوبؑ سے دین کی جو روشنی پھیلی تھی اس کا وارث بنے اور اس روشنی کو بجھنے نہ دے، حقیقت یہ ہے کہ صالح اولاد دنیا میں بھی زبردست اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے اور آخرت میں بھی بے بہا اجر و انعام کا وسیلہ۔

جنت میں امتیازی محل

اگر آپ کی زندگی میں اولاد کی موت ہو اور آپ اس جانکاہ صدمے کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کریں تو اولاد آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت، وسیلۂ جنت اور زبردست اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے، اس صبر کے صلے میں خدا آپ کو جنت سے نوازے گا اور جنت میں آپ کے لیے ایک امتیازی محل تیار کرائے گا۔ جس کا نام ہی ''شکر کا محل'' ہوگا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ فَمَاذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِبْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ سَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ۔ (جامع ترمذی)

''جب کسی بندے کی اولاد مرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے، تم نے میرے بندے کی روح قبض کرلی! فرشتے جواب دیتے ہیں جی ہاں قبض کرلی، پھر خدا پوچھتا ہے تم نے اس کے جگر کے ٹکڑے کی روح قبض کرلی، فرشتے جواب دیتے ہیں جی ہاں قبض کرلی، تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے، پھر میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں (پروردگار) تیرے

بندے نے تیری تعریف کی اور اس مصیبت پر اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ [1] پڑھا۔
یہ سن کر خدا تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے: ''میرے بندے کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرو، اور اس کا نام شکر کا محل رکھو۔''

حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپؐ نے فرمایا جس مسلمان جوڑے کے بھی تین نابالغ بچے مر جائیں، تو یہ بچے قیامت کے روز جنت کے دروازے پر رک کر کھڑے ہو جائیں گے، اور جب ان سے کہا جائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تو یہ معصوم بچے جواب دیں گے جب تک ہمارے ماں باپ جنت میں داخل نہ ہوں گے ہم جنت میں نہیں جا سکتے، تو خدا حکم دے گا کہ جاؤ تم اور تمہارے ماں باپ سب ہی جنت میں جاؤ۔'' (طبرانی)

اولاد، صدقۂ جاریہ

اولاد کی زندگی میں اگر آپ دنیا سے رخصت ہو گئیں تو اولاد آپ کے لیے ایک ایسا صدقہ ہے جس کا اجر رہتی دنیا تک آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ موت سے ہم آغوش ہوتے ہی آدمی کی مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے، لیکن وہ اگر اپنے پیچھے صالح اولاد چھوڑ جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا اجر مرنے کے بعد بھی آدمی کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَ عَمَلُہٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ، صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ (صحیح مسلم)

''جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کی مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے، سوائے تین اعمال کے (کہ ان کا اجر مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے) کوئی ایسا صدقہ کر جائے جو اس کے بعد بھی جاری رہے،

---

(1) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ مصیبت پڑنے پر یہ کلمۂ صبر دہرائیں، یہ کلمہ بتاتا ہے کہ مسلمان کو مصیبت پڑنے پر کس طرح سوچنا چاہیے۔ آخر کار ہمیں خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہاں سب کچھ اس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس طرح سوچنے سے بڑی سے بڑی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے اور مومن کو بڑا سکون ملتا ہے۔

یا ایسا علم چھوڑ جائے کہ اس کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں پھر نیک اولاد چھوڑ جائے جو بعد وفات اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔''

''حضرت ابو ہریرہؓ ہی کا ارشاد ہے جب کسی میت کے درجات بلند ہوتے ہیں تو وہ حیرت سے پوچھتی ہے یہ کیونکر ہوا، خدا کی جانب سے اس کو بتایا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتی رہی (اور اللہ نے اس کو قبول فرمالیا)''۔

''حضرت ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ایک شب ہم لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عاجزی کے ساتھ فرمایا، اے میرے پروردگار ابو ہریرہؓ کی مغفرت فرما، اے پروردگار ابو ہریرہؓ کی ماں کی مغفرت فرما، اور اے پروردگار! ان سب لوگوں کی مغفرت کردے جو ابو ہریرہؓ اور اس کی ماں کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ لہٰذا ہم برابر حضرت ابو ہریرہؓ اور ان کی ماں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، تاکہ ابو ہریرہؓ کی دعا میں شامل رہیں۔''

قتلِ اولاد بدترین گناہ

مسلمان معاشرہ اگرچہ آج افسوسناک پستی اور عبرت ناک زوال سے دو چار ہے، دنیا میں آگے بڑھنے اور ترقی حاصل کرنے کی ہمت بھی کھو چکا ہے اور آخرت میں سرخروئی اور بلند درجات حاصل کرنے کا سبق بھی فراموش کر چکا ہے، اس کے باوجود عقیدۂ توحید اور دین کی بنیادی تعلیمات سے تعلق کی بدولت مسلمان عورت ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ بعض ان گناہوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی، جن میں دوسری خواتین مبتلا ہیں یا آسانی کے ساتھ مبتلا ہو سکتی ہیں۔

مسلمان عورت سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ اپنے معصوم بچے کو اپنے ہی ہاتھوں قتل کر ڈالے، اسلام نے اس بھیانک جرم کو ختم کرنے کے لیے ایک طرف تو ماں باپ کے دل میں انسانی جان کے احترام کا گہرا احساس پیدا کیا، اور ماں باپ کے دل میں اولاد کی انتہائی قدر و قیمت پیدا کی، دوسری طرف قتل اولاد کو اتنا سنگین جرم قرار دیا کہ اس کی حرمت کو شرک جیسے عظیم گناہ کے ساتھ بیان کیا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ الانعام 6:151

''(اے رسولؐ!) ان سے کہیے آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں، یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، یہ کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور یہ کہ اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بھیانک ظلم سے معاشرے کو پاک کرنے کو اتنا اہم قرار دیا کہ بیعت عقبہ میں آپؐ نے سب سے پہلے انصار سے جن اہم باتوں پر عہد لیا تھا، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ دربارِ رسالت میں جو خواتین حاضر ہوتیں ان سے بھی آپؐ اس بات کا عہد لیتے کہ وہ اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ صلح حدیبیہ کے بعد جو عورتیں مشرف بہ اسلام ہوئیں ان سے جو بیعت لی گئی اس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، عید کے عام اجتماع میں آپؐ عورتوں کے مجمع میں تشریف لائے اور آپؐ نے ان سے دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ اس کا بھی عہد لیا۔

''حضرت عبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا ''مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ گے، چوری نہ کرو گے، بدکاری سے دور رہو گے، اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، جس نے اس عہد کو پورا کیا، اس کی مزدوری خدا کے ذمہ ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی برا عمل کیا، اور اس کو قانون کے تحت سزا دے دی گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہوجائے گا اور جس کا یہ گناہ دنیا میں کسی پر ظاہر نہ ہوا تو اللہ کو اختیار ہے چاہے تو معاف فرمادے اور چاہے تو سزا دے۔'' (صحیح بخاری)

قتلِ اولاد کے اسباب

اسلام سے پہلے اولاد کو قتل کرنے کا رواج بہت سے ملکوں میں تھا، روم میں کثرت سے اس کا رواج تھا، علانیہ اولاد کو قتل کیا جاتا اور کوئی باز پرس نہ کی جاتی۔ ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی یہ بھیانک رسم عام تھی اور عرب والوں کی بے رحمی اور سنگدلی کی داستانیں تو مشہور ہی ہیں۔

عام طور پر قتل اولاد کے تین اسباب تھے، کچھ نادان تو اس کو ایک مذہبی عمل سمجھتے اور

اپنے دیوی دیوتاؤں کوخوش کرنے کے لیے ان کے حضور اپنے بچوں کی قربانی پیش کرتے۔ یہ نذریں مانتے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اپنے بچے کی قربانی دوں گا، اور یہ ظلم اور سفا کی کرنے والے صرف مرد ہی نہ تھے، بلکہ عورتیں بھی اس بے رحمی میں شریک تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی، اس نے نذر مانی تھی کہ میں اپنے بچے کوقربان کروں گی؟ آپ نے جواب دیا، ایسا ہرگز نہ کرنا، اس کا کفارہ ادا کر دینا۔'' (مؤطاامام مالکؒ)

جہالت اورسفا کی کی یہ رسم دورِ ماضی کی یادگارنہیں ہے بلکہ ہمارے ملک کے کچھ عوام اب بھی وہم اور جہالت کے اس اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔ کچھ دن پہلے کی خبر ہے کہ ورنگل میں 9 سال کی ایک معصوم بچی کو دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اخبار ''دعوت'' دہلی 18 اپریل کی اشاعت میں ہے:

''ورنگل 17 اپریل: پولیس ذرائع کی اطلاع کے مطابق ورنگل ضلع کے ایک گاؤں میں 9 سال کی ایک بچی کودولت کی دیوی لکشمی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ واقعہ 24 مارچ کو ہوا۔ پولیس نے قتل کے الزام میں ایک کسان اور اس کی 21 سالہ بیٹی کو گرفتار کرلیا ہے۔ پولیس کی اطلاع کے مطابق ملزمین کے قبضے سے مقتولہ کے چاندی کے کڑے اور سونے کی بالیاں برآمد کرلی گئی ہیں۔''

قرآن پاک میں بھی ان لوگوں کی اس نادانی اور ظلم کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ سراسر گھاٹے میں ہیں:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ الانعام 137:6

''اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کوخوشنما بنا دیا ہے، تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اوران پران کے دین کومشتبہ بنا دیں۔''

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ الانعام 147:6

''یقیناً گھاٹے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت اور نادانی کی وجہ سے قتل کیا۔''

کچھ کم فہم اور بزدل اپنی عزیز اولاد کو اس لیے قتل کر ڈالتے تھے، کہ یہ ان کی روزی میں شریک ہو کر ان کو تنگی اور پریشانی میں مبتلا کر دے گی، ان نادانوں کو اس ظلم سے روکتے ہوئے بتایا گیا کہ کیا تم اپنی روزی خود پوری کرتے ہو؟ جو خدا تمھیں روزی دیتا ہے وہی ان کو بھی روزی دے گا۔ خدا جس روح کو دنیا میں بھیجنے کا فیصلہ کرتا ہے، اس کی روزی کا سامان اس کے ساتھ بھیجتا ہے، رزق کے خزانوں کی کنجی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ بنی اسرائیل 31:17

''اپنی اولاد کو افلاس کے خدشے سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی، واقعہ یہ ہے کہ اولاد کو قتل کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جرم کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِيْ مَنْصُوْرٌ وسُلَيْمَانُ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ اَبِيْ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: وَحَدَّثَنِيْ وَاصِلٌ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللّٰهِ اَكْبَرُ؟ قَالَ: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ اَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ، قَالَ: وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَصْدِيْقًا لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسولؐ اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا ''یہ کہ تو کسی کو اللہ کا ہمسر و مدمقابل ٹھہرائے حالانکہ تجھے پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔'' پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا: ''یہ کہ تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گا۔'' پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ''یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔'' اس کے بعد عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ''جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے۔''

قتلِ اولاد کی تیسری صورت اتنی ہولناک اور تکلیف دہ ہے کہ اس کے تصور ہی سے دل لرزنے لگتا ہے، کچھ سنگدل اور بے رحم ظالم اپنی بے گناہ پیاری بیٹیوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے زندہ دفن کر دیتے تھے، یہ ہیبت ناک منظر اور معصوم بچیوں کی آہ وفریاد ان پر ذرا اثر نہ کرتی، ان کے نزدیک لڑکی کا وجود ذلت اور حقارت کا نشان تھا، ان کے لیے یہ تصور انتہائی گھناؤنا اور باعث شرم تھا کہ وہ عورت ان کی لڑکی کہلائے جو کسی دوسرے کی بیوی ہو، ان کے نزدیک یہ بات بڑی ذلت کی تھی کہ ان کا کوئی داماد ہو اور یہ اس کے خسر کہلائیں۔ چنانچہ ان کو جب معلوم ہوتا کہ ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو غم کے مارے ان کا برا حال ہوتا، کوشش کرتے کہ اس ذلت کے لوتھڑے پر جلد سے جلد مٹی کے چند ٹوکرے ڈال دیں، اور یہ ذلت انھیں نہ دیکھنا پڑے کہ کوئی ان کا داماد کہلائے اور ان کی بیٹی کا شوہر بنے، قرآن نے ان کے اس عبرتناک طرز فکر وعمل کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ النحل 16:58,59

"اور جب ان میں سے کسی کو یہ خوش خبری دی جاتی کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے، اور وہ خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس برائی کو لے کر جس کی اسے خبر دی گئی ہے کیسے کسی کو منہ دکھائے، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا (اس شرم اور ذلت سے نجات پانے کے لیے) اس کو مٹی میں دبا دے۔"

عرب کے بعض قبیلے اور بعض افراد اس سفاکی اور سنگدلی میں بہت مشہور تھے، ان ظالموں کے نزدیک بے بس اور بے گناہ بچیوں کو زندہ دفن کرنا بڑا کارنامہ تھا، یہ بے رحم اپنی اس شقاوت اور سفاکی پر فخر کرتے تھے، ایک صاحب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا کارنامہ بیان کرنے لگے اور بولے میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آٹھ بیٹیاں زندہ دفن کی ہیں۔

معصوم بچی کا حسرتناک واقعہ

قبیلۂ بنو تمیم میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا ظالمانہ رواج کچھ زیادہ تھا، اس قبیلے کے سردار قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انھوں نے اپنی معصوم بچی کو اپنے ہاتھوں سے دفن

کرنے کا حسرت ناک واقعہ سناتے ہوئے کہا:

''یارسولؐ اللہ! میں گھر سے باہر سفر پر گیا ہوا تھا، میرے بعد میرے گھر میں ایک بچی پیدا ہوئی، میں گھر میں ہوتا تو اس کی آواز سنتے ہی اس کو مٹی میں دبا کر ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیتا، ماں اس کو جیسے تیسے چند دن تک پالتی رہی، مگر چند دن پالنے کی وجہ سے ماں کی مامتا نے کچھ ایسا جوش مارا کہ وہ اس تصور ہی سے لرز اٹھتی کہ باپ آ کر اس فرشتے کو مٹی میں زندہ دبا دے گا، چنانچہ میرے ڈر سے اس نے اپنی پیاری بچی کو اس کی خالہ کے یہاں بھیج دیا کہ وہاں پرورش پا کر جب بڑی ہو جائے گی تو باپ کو بھی رحم آ جائے گا، میں جب سفر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ میرے یہاں مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا، اور بات آئی گئی ہوگئی، بچی اپنی خالہ کے زیر سایہ پلتی رہی یہاں تک کہ کافی بڑی ہوگئی۔ خدا کا کرنا کسی ضرورت سے میں ایک دن گھر سے باہر گیا۔ ماں نے یہ سوچا کہ آج بچی کا باپ گھر نہیں ہے، کیوں نہ اس کو بلالوں اور ماں نے اس کو بلالیا۔ شامتِ اعمال کچھ دیر کے بعد میں بھی گھر پہنچ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ نہایت ہی خوبصورت بنی سنوری پیاری بچی گھر میں ادھر سے ادھر دوڑتی پھر رہی ہے، میرے دل میں ایک انجانی محبت نے جوش مارا۔ بیوی نے بھی میری نگاہوں کا انداز دیکھ کر بھانپ لیا کہ پدری محبت جاگ اٹھی ہے اور خون کا اثر رنگ لے آیا ہے۔ میں نے بیوی سے پوچھا، نیک بخت! یہ کس کی بچی ہے، بڑی پیاری بچی ہے!

اور بیوی نے سارا قصہ سنا دیا، میں نے بے اختیار بچی کو گلے سے لگا لیا۔ ماں نے اسے بتایا کہ یہ تیرے باپ ہیں اور وہ مجھ سے چمٹ گئی۔ باپ کا پیار پا کر وہ تو کچھ ایسی خوش ہوئی کہ ابا ابا کہتے اس کا منہ سُوکھتا تھا، اور جب وہ ابا ابا کہہ کر میرے پاس دوڑ کر آتی، تو میں اسے گلے لگا کر عجیب سکون سا محسوس کرتا۔

اسی طرح دن گزرتے رہے، اور لڑکی پیار و محبت کے سائے میں ہر فکر سے بے پروا پرورش پاتی رہی، مگر اس کو دیکھ دیکھ کر کبھی کبھی میں سوچتا، اس کی وجہ سے مجھے داماد والا بننا پڑے گا، مجھے یہ ذلت بھی برداشت کرنا ہوگی کہ میری لڑکی کسی کی بیوی بنے، میں لوگوں کو کیسے منہ دکھاؤں گا، میری تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی، اور آخر کار میری غیرت

نے مجھے جھنجھوڑا، میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، اور میں نے طے کرلیا کہ اس ذلت کے سامان کو میں دفن کر کے ہی دم لوں گا، اور میں نے اپنی بیوی سے کہا، بچی کو تیار کردو، ایک دعوت میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ بیوی نے اس کو نہلایا دُھلایا، صاف ستھرے کپڑے پہنائے اور بنا سنوار کر تیار کردیا، بچی بھی خوشی سے چوک رہی تھی کہ اپنے ابا جان کے ساتھ جارہی ہے اور میں اسے لے کر ایک سنسان جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ بچی کودتی پھاندتی، خوش خوش میرے ساتھ چل رہی تھی، اور مجھ سنگ دل پر یہ جنون سوار تھا کہ جلد اس شرم کی پوٹلی کو مٹی میں دبا دوں، بچی کو کیا خبری تھی، معصوم بچی خوشی میں کبھی میرا ہاتھ پکڑتی، کبھی مجھ سے آگے آگے دوڑتی، کبھی پیاری زبان میں باتیں کرتی، یہاں تک کہ میں ایک جگہ جا کر رک گیا۔ پھر میں نے زمین میں گڑھا کھودنا شروع کیا۔ بچی حیران تھی کہ ابا جان یہاں سنسان جنگل میں یہ گڑھا کیوں کھودرہے ہیں، اسے کیا خبر تھی کہ ظالم باپ اس چہکتی پھول سی بچی کے لیے ہی قبر کھودرہا ہے تاکہ ہمیشہ کے لیے اسے خاموش کردے۔

گڑھا کھودتے ہوئے جب میرے پیروں اور کپڑوں پر مٹی آتی، تو معصوم بچی اپنے چھوٹے چھوٹے، پیارے اور نازک ہاتھوں سے مٹی جھاڑتی، اور توتلی زبان میں کہتی، ابا آپ کے کپڑے خراب ہورہے ہیں۔ جب میں نے گہرا گڑھا کھودلیا تو ایک دم اس بے گناہ ہنستی کھیلتی بچی کو اٹھا کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور جلدی جلدی اس پر مٹی ڈالنے لگا، بچی مجھے حسرت سے دیکھتے ہوئے چیختی رہی، ابا جان، میرے ابا جان، یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ ابا میں نے کچھ بھی تو نہیں کیا ہے، ابا آپ مجھے کیوں مٹی میں دبائے دے رہے ہیں؟ اور میں بہرا، اندھا اور گونگا بنا اپنا کام کرتا رہا۔ یارسول اللہ مجھ سنگدل اور ظالم کو ذرا بھی تو رحم نہ آیا۔ اور بچی کو زندہ دفن کرنے میں اطمینان کی سانس لیتا ہوا واپس آ گیا۔''

معصوم بچی کی مظلومیت، بے بسی کا یہ حسرت ناک واقعہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو رواں ہوگئے۔ آپؐ رورہے تھے اور کہہ رہے تھے، ''یہ انتہائی سنگدلی ہے، جو انسان دوسروں پر رحم نہیں کھاتا خدا اس پر کیسے رحم کھائے گا۔

عبرت ناک آپ بیتی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک صاحب نے اپنے زمانۂ جاہلیت کی آپ بیتی سنائی اور اس کا حسرتناک نقشہ کچھ اس طرح کھینچا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار ہو گئے۔

''یارسولؐ اللہ! ہم لوگ ناواقف تھے، ہمیں کچھ خبر نہ تھی، پتھر کے بتوں کو پوجتے تھے، اور اپنی پیاری اولاد کو خود اپنے ہی ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ یارسولؐ اللہ! میری ایک بہت ہی پیاری بچی تھی، میں جب بھی اس کو بلاتا وہ دوڑ کر میرے پاس آجاتی۔ ایک دن میں نے اس کو اپنے پاس بلایا، وہ خوش خوش دوڑی میرے پاس آئی، میں اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا۔ میں آگے آگے تھا اور وہ میرے پیچھے دوڑی چلی آرہی تھی، میرے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک گہرا کنواں تھا، جب میں اس کنویں کے پاس پہنچا تو رک گیا۔ لڑکی بھی میرے قریب آگئی، پھر یارسولؐ اللہ! میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر اس کنویں میں ڈال دیا...... معصوم بچی کنویں میں سے چیختی رہی اور بڑی ہی درد بھری آواز میں مجھے ابا ابا کہہ کر پکارتی رہی...... یارسولؐ اللہ! یہی اس کی زندگی کی آخری آواز تھی۔''

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درد بھری داستان سنی تو دل بھر آیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ایک صحابیؓ نے ان کو برا بھلا کہا کہ تم نے خواہ مخواہ یہ دردناک آپ بیتی سنا کر رسولؐ اللہ کو دکھ پہنچایا۔ رسولِ خدا نے سنا تو فرمایا، نہیں ان سے کچھ نہ کہو، ان سے کچھ نہ کہو، ان پر جو مصیبت پڑی ہے، یہ اس کا علاج پوچھنے آئے ہیں، اور پھر انھی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ہاں میاں ایک بار پھر تم اپنی آپ بیتی سناؤ، صحابیؓ نے دوبارہ اپنی دردناک آپ بیتی سنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عجیب حال تھا، روتے روتے آپؐ کی داڑھی تر ہوگئی، اور پھر ان سے کہا: تم اسلام لے آئے تو اس کی برکت سے زمانۂ جاہلیت کے سارے گناہ معاف ہو گئے، جاؤ اور اب اچھے کام کرو۔'' (مسند دارمی)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی بے گناہ اور بے بس بچیاں اس ظلم اور سفا کی کا نشانہ بنیں، اور کتنے دنوں تک بیٹیاں اپنے ماں باپ کے ہاتھوں زندہ دفن ہوتی رہیں، اگرچہ اس دور میں بھی کچھ رحم دل، خدا ترس انسان ضرور تھے، جو لڑکیوں کو اس ظلم اور بربریت سے بچانے کے لیے

اپنی سی کوشش کرتے رہتے تھے، لیکن یہ انفرادی کوششیں اس ہولناک رسم کو ختم نہ کر سکیں۔

فرزدق عرب کے مشہور شاعر تھے۔ ان کو اس بات پر بجا فخر تھا کہ ان کے دادا حضرت صعصعہ نے کتنی ہی لڑکیوں کو اس دور میں زندہ دفن ہونے سے بچایا، جس میں اہل عرب لڑکی کے تصور ہی سے شرم محسوس کرتے تھے۔ حضرت صعصعہ خود ہی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''ایک بار میں اپنی دو گم شدہ اونٹنیوں کی تلاش میں نکلا، دور ایک آگ نظر آئی، کبھی اس کے شعلے بھڑک اٹھتے اور کبھی بجھ جاتے۔ میں نے سوچا چل کر دیکھنا چاہیے، ممکن ہے کسی مصیبت زدہ نے جلا رکھی ہو، اور میں یہ طے کر کے چل دیا کہ اگر کوئی مصیبت زدہ ہو اور میں اس کے کام آ سکا تو ضرور اس کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ میں نے اونٹ تیز کیا اور تھوڑی ہی دیر میں بنی انمار کے محلے میں پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھا شخص لمبے لمبے جھبرے بالوں والا اپنے گھر کے سامنے بیٹھا سوگ منا رہا ہے اور بہت ساری عورتیں ایک عورت کو گھیرے میں لیے بیٹھی ہیں جو دردزہ میں مبتلا ہے، سلام دعا کے بعد میں نے ان سے معاملے کی نوعیت معلوم کی تو پتہ چلا کہ تین روز سے یہ عورت اس تکلیف میں مبتلا ہے، بڑے میاں سے یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ عورتوں کی آواز آئی، بچہ پیدا ہو گیا۔ بوڑھا چلا اٹھا، اگر لڑکا ہوا ہے تو خیر اور اگر لڑکی ہے تو میں اس کی آواز نہیں سننا چاہتا، میں اسی دم اسے مار ڈالوں گا۔

میں نے بڑی لجاجت سے بڑے میاں سے کہا، شیخ! ایسا نہیں کیجئے، آپ ہی کی بیٹی ہے، رہا روزی کا سوال تو اس کی روزی دینے والا اللہ ہے۔ بوڑھا پھر گرجا، نہیں میں اس کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا، میں اسے قتل کر کے ہی دم لوں گا، میں نے نرمی سے پھر اصرار کیا تو اس نے ذرا تیور بدل کر کہا، تم اگر ایسے ہی رحم دل ہو تو اس کی قیمت دو اور لے جا کر پالو۔ میں نے بے تامل کہا ہاں، میں خریدنے کے لیے تیار ہوں، اور میں بچی کو خرید کر خوشی خوشی لوٹ آیا، اور میں نے خدا سے عہد کیا کہ اس بچی کو شفقت و محبت سے پالوں گا، اور میں نے خدا سے یہ بھی عہد کیا کہ جب بھی کوئی سنگدل کسی معصوم بچی کو مار ڈالنے کا ارادہ کرے گا، میں ہرگز اس کو ایسا نہ کرنے دوں گا، قیمت دے کر اس بچی کو حاصل کروں گا، اور نہایت پیار و محبت کے ساتھ اس کی پرورش کروں گا۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اس وقت تک میں چورانوے (94) بچیوں کو ظالم باپوں کے چنگل سے بچا چکا تھا، اور پھر تو حضورؐ نے اس لعنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر

دیا۔“ (الاغانی)

اسلام نے قتلِ اولاد کی تمام ظالمانہ رسموں سے اپنے معاشرے کو پاک کیا اور خدا کے پیارے بندوں کی پہچان یہ بتائی کہ وہ اولاد کے لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ پروردگار ان کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ الفرقان25:74

”اور (رحمٰن کے بندے) وہ ہیں جو کہتے ہیں، ہمارے رب، ہمارے جوڑوں کو اور ہماری اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔“

لڑکی کی پیدائش

آپ کے یہاں لڑکی ہو یا لڑکا آپ خوشی مناتی ہیں، اور قدرتی بات ہے کہ آپ خوشی منائیں، نہ صرف خود خوشی منائیں بلکہ اپنے ملنے جلنے والوں اور رشتے داروں سے بھی توقع رکھیں کہ وہ آپ کی خوشی میں شریک ہوں، اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے، اس لیے کہ اسلام نے آپ کو جو روشنی دی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو عمل آپ کے سامنے ہے، اس کے ہوتے آپ سوچ ہی نہیں سکتیں کہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی تفرق کریں، لڑکے کی پیدائش پر خوشی منائیں اور لڑکی پیدا ہو تو خوشی کا اظہار نہ کریں۔ لڑکی کے وجود کو حقیر سمجھنا اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینا غیر اسلامی طرز فکر و عمل ہے، جس سے اسلامی معاشرے کو پاک ہونا چاہیے اور ایسا ہے بھی۔

لیکن پھر بھی کچھ گھرانے ایسے مل جاتے ہیں جن میں لڑکے اور لڑکی کی پیدائش کے موقع پر یکساں طرز عمل اختیار نہیں کیا جاتا، لڑکے کی پیدائش پر جس طرح دلی جذبات کے ساتھ خوشی منائی جاتی ہے، لڑکی کی پیدائش پر اس طرح خوشی نہیں منائی جاتی۔ لڑکے کی پیدائش کی خوش خبری جن جذبات کے ساتھ اپنے عزیز و اقارب اور ملنے جلنے والوں کو دی جاتی ہے، لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری ان جذبات کے ساتھ نہیں دی جاتی، اسی طرح بعض لوگوں کی طرف سے لڑکی کی خبر پر مبارکباد کا وہ انداز نہیں ہوتا جو لڑکے کی پیدائش پر ہوتا ہے، لڑکی کی مبارکباد کچھ اس طرح دیتے ہیں، گویا لڑکی والے کے جذبات کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کر رہے ہیں۔

آپ ہی بتائیے ان جملوں کا کیا مطلب ہے، میری تو کمر ٹوٹ گئی۔ میں تو کھڑے سے بیٹھ گئی، میرے تو دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے، اس کو بھی گود میں لے لیتی ہوں مگر لڑکے کی تو بات ہی اور ہے۔ میری بھی گردن نیچی ہوگئی، لڑکی والی تو سر اٹھا ہی نہیں سکتی۔ خیر بھئی ٹھیک ہے اللہ کی مشیّت میں کس کو دخل ہے۔ اللہ نصیب اچھا کرے، اللہ نے آزمائش میں ڈالا ہے تو وہی ہمت بھی دے گا، اس کو بھی پیار کرتی ہوں مگر بجھے بجھے دل سے۔ لڑکا ہوتا تو امنگ ہی اور ہوتی ہے۔ آپ کو اطلاع اس لیے نہیں دی کہ کیا اطلاع دوں، وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے، اس لیے کیا لکھتی...... **لاحول ولا قوۃ**، آپ ہی بتائیے ان جملوں کا اسلامی تعلیم سے کیا جوڑ ہے، مگر یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض مسلمان گھرانوں میں بھی دہرائے جاتے ہیں۔ مرد بھی دہراتے ہیں اور عورتیں بھی۔

اولاد کا معاملہ صرف خدا کے اختیار میں ہے۔ اس میں نہ کسی کے ارادے کو دخل ہے اور نہ کسی کی خواہش اور آرزو کو اور یہ بھی صرف خدا ہی جانتا ہے کہ کس کے حق میں لڑکی بہتر ہے اور کس کے حق میں لڑکا۔ آپ یہ دعا اور تمنا تو ضرور کرسکتی ہیں کہ آپ کی تمنا پوری ہی ہو اور آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت ہی ملے، یہ فیصلہ محض خدا کے اختیار میں ہے کہ وہ آپ کو لڑکی بخشے یا لڑکا۔ دونوں سے نوازے یا دونوں سے محروم کرے۔ کسی کے بس میں نہیں کہ اس کے فیصلے کو بدل دے یا اس پر اثر انداز ہو، اس کی قدرت و اختیار میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ شوریٰ 49,50:42

''وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ (بنا کر اولاد سے محروم) کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز سے واقف اور ہر بات پر قادر ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اولاد کے معاملے میں انسان قطعی بے بس ہے، اگر وہ صرف اسی ایک معاملے پر غور کرے تو اس حقیقت کو پالے گا کہ کائنات میں صرف ایک ہی خدا کا حکم چل رہا ہے اور اس کی خدائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اولاد کے معاملے میں نہ کسی کی

بزرگی اور کرامت کام دیتی ہے، نہ تعویذ گنڈے، اور نہ ڈاکٹری تدبیریں۔ دوسروں کو اولاد دلانا یا لڑکی کے بجائے لڑکا پیدا کرنا تو درکنار خود کوئی بڑے سے بڑا روحانی پیشوا اپنے یہاں بھی اپنی خواہش کے مطابق اولاد پیدا نہیں کرسکتا اور اگر اولاد سے محروم ہے، تو یہ ممکن نہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک بچہ بھی پا سکے۔

پھر آپ یہ بھی کسی ذریعۂ علم سے معلوم نہیں کرسکتیں کہ آپ کے حق میں لڑکی خیر وبرکت کا سامان ہے یا لڑکا۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک گھر میں لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں اور وہ گھر خیر و برکت اور سکون و اطمینان کا نمونہ ہے، اور ایک گھر میں لڑکے ہی لڑکے ہیں، لیکن ہر ایک ماں باپ کے لیے دردسر بنا ہوا ہے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی لڑکے پیدا ہونے کے بعد ماں نے دن رات لڑکی کے لیے دعائیں مانگیں، مگر جب خدا نے لڑکی عطا فرمائی تو اس نے وہ گل کھلائے کہ ماں باپ کی زندگی اجیرن کردی۔ اور ماں یہ بددعا دینے پر مجبور ہوئی کہ ''کاش تو اسی وقت مرگئی ہوتی جب میں نے تجھے جنم دیا تھا، اور ایسا بھی ہے کہ ماں باپ لڑکیوں سے تو اس قدر نالاں ہیں کہ ان کا ذکر گوارا نہیں۔ اور لڑکی ان کے لیے اس درجہ وجہِ سکون ہے کہ اس کے گن گاتے نہیں تھکتے، حقیقت یہ ہے کہ غیب کا جاننے والا خدا ہی ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسان کی سعادت اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

لڑکی جو وجہِ سعادت بنی

عمران کی بیوی نے خدا سے دعا مانگی کہ پروردگار میں اپنے پیدا ہونے والے فرزند کو تیرے حضور نذر کرتی ہوں، تو میری نذر کو قبول فرما۔ مگر جب ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو بہت غمزدہ ہوئیں اور بولیں پروردگار یہ کیا، یہ تو لڑکی ہے۔ ہائے اللہ! اس بچی سے وہ مقصد کیسے پورا ہوگا جس کے لیے میں نے نذر مانی تھی۔ لڑکا تو لڑکی کی طرح نہیں ہوتا، وہ بہت سی فطری کمزوریوں اور تمدنی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ مگر خدا خوب جانتا تھا کہ بیگم عمران نے کس کو جنم دیا ہے، وہ اسے لڑکی سمجھ کر پریشان ہو رہی ہے کہ اس سے وہ مقصد کیسے حاصل ہو سکے گا جس کے لیے وہ اپنے فرزند کو نذر کرنا چاہتی تھیں، انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہی ان کے لیے وجہِ سعادت ہے اور یہی لڑکی قیامت تک ان کا نام روشن رکھے گی، اسی کی

بدولت بیگم عمران کا نام آخری آسمانی صحیفے میں محفوظ ہو جائے گا اور قیامت تک کروڑوں افراد ان کا نام لیتے رہیں گے، اور اسی کی بدولت وہ ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر کی نانی بنیں گی۔ جن پر خدا اپنی کتاب انجیل نازل فرمائے گا۔

چنانچہ خدا نے بیگم عمران کی نذر ٹھکرائی نہیں بلکہ اس لڑکی کو خدا نے ایسا حُسنِ قبول بخشا کہ قیامت تک اس حسن قبول کی کہانی دہرائی جاتی رہے گی۔ اس لیے وہ اس صحیفے میں محفوظ ہے جس کا پڑھنا بھی ثواب، سننا بھی ثواب اور سنانا بھی ثواب ہے۔ قرآن میں اس قصے کو یوں بیان کیا گیا ہے:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ آلِ عمران 37:3

''آخر کار اس لڑکی (مریم) کو اس کے پروردگار نے نہایت خوشی سے قبول فرمالیا، اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا، اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا، زکریا جب بھی اس کے پاس عبادت گاہ میں پہنچتے تو اس کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پاتے۔ وہ پوچھتے مریم! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا، وہ جواب دیتی اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔''

اولاد خدا کا انعام ہے، لڑکی بھی اس کا انعام ہے اور لڑکا بھی، انعام پانے والے کا کام یہ ہے کہ وہ انعام کی قدر کرے اور اپنے محسن کا شکر بجالائے۔ مومن کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ خدا کے انعام کی ناقدری کرے اور ناشکری کی روش اختیار کرے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس نعمت سے نوازے اور وہی اپنے علم اور اپنی قدرت کے تحت حکیمانہ فیصلے فرماتا رہتا ہے۔ اس کے فیصلوں پر راضی رہنا اور اسی کو اپنے حق میں خیر سمجھنا مومن کی شان ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کا یہ عقیدہ ہے کہ ان سے افضل نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے، اور آپ چار لڑکیوں کے باپ تھے۔ حضرت خدیجہؓ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمین و آسمان میں ان سے بہتر کوئی خاتون نہیں، انھی سے خدا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ چار لڑکیاں عطا فرمائی تھیں، اور حضرت خدیجہؓ ان

چار لڑکیوں کی ماں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی:

لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ فَإِنِّي أَبُو الْبَنَاتِ

''لڑکیوں سے نفرت نہ کرو میں خود لڑکیوں کا باپ ہوں۔''

نیز آپؐ نے فرمایا بیٹیاں بڑی محبت والی اور بڑی خیر و برکت والی ہوتی ہیں۔

(کنز العمال)

حضرت ابن شریط فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا وُلِدَ لِلرَّجُلِ ابْنَةٌ بَعَثَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَلٰئِكَةً يَقُوْلُوْنَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ يَكْتَنِفُوْنَهَا بِأَجْنِحَتِهِمْ وَ يَمْسَحُوْنَ بِأَيْدِيْهِمْ عَلٰى أَسِهَا وَيَقُوْلُوْنَ ضَعِيْفَةٌ خَرَجَتْ مِنْ ضَعِيْفَةٍ اَلْقَيِّمُ عَلَيْهَا مُعَانٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(المعجم الصغیر للطبرانی)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ فرما رہے تھے، جس کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ اس کے یہاں فرشتوں کو بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں، اے گھر والو! السلام علیکم، فرشتے پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں، اور اس کے سر پر اپنے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ایک ناتوان کمزور جان ہے جو ایک ناتوان اور کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو شخص اس ناتوان جان کی پرورش کی ذمے داری اٹھائے گا قیامت تک خدا کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔''

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جو کئی بچیوں کا باپ تھا، اس نے کہا کاش یہ سب بچیاں مر جائیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے سنا تو انھیں غصہ آ گیا اور اس شخص سے بولے کیا تم ان کو روزی دیتے ہو۔''

لڑکی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے بنیادی طور پر دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آدمی لڑکی کے وجود ہی کو اپنے لیے باعثِ ننگ و عار سمجھے، دوسرے یہ کہ اس کے مصارف سے گھبرائے۔

پہلے سبب کا تجزیہ کیجیے تو آپ کو شرم محسوس ہوگی کہ آپ اس طرح سوچیں، جو خاتون اسلام کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو اپنے لیے

اسوہ مانتی ہو وہ بھلا کیسے سوچ سکتی ہے کہ لڑکی والی ہونا شرم اور عار کی بات ہے۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود لڑکی والے تھے اور لڑکی کے وجود کو آپؐ نے جہنم کی ڈھال اور جنت کا ذریعہ بتایا ہے۔

دوسرے سبب کا تجزیہ کیجیے تو آپ لمحہ بھر کے لیے بھی گوارا نہ کریں گی کہ اس طرح کا جاہلی خیال آپ کے ذہن میں آئے۔ خدا کو رازق اور روزی رساں ماننے والا کیسے سوچ سکتا ہے کہ لڑکی کو روزی دینے والا میں ہوں، خدا کی صفات پر ایمان رکھنے والے کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ رزق دینے والا اور ضروریات پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر پیدا ہونے والے کو خدا ہی روزی مہیا کرتا ہے، وہ اپنے حصے کی روزی اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ کسی انسان کو اس طرح سوچنے کا کیا حق ہے کہ میں کسی کے لیے روزی مہیا کرتا ہوں جب کہ خود اس کو بھی خدا ہی روزی دیتا ہے اور وہ اپنی ضروریات میں خدا ہی کا محتاج ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کے نصیب میں کیا ہے اور پیدا ہونے والی کمزور اور ناتواں بچی کتنا طاقتور اور عظیم نصیب لے کر آئی ہے۔ یہ بھی خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ آپ کے گھر میں پیدا ہونے والی نحیف و ناتواں بچی نہ صرف اپنے لیے روزی لے کر آئی ہو بلکہ وہ اپنے نصیب کی بدولت آپ کے بھی دن پھیر دے۔

کمزور لڑکی کی سرپرست بنا کر خدا نے آپ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا احسان کہ اگر آپ سوچیں تو آپ کا رُواں رُواں شکر کے جذبات سے سرشار ہو جائے۔ وہ جنت جس کو خدا نے شدائد اور تکالیف سے گھیر رکھا ہے اور جس کی راہ کٹھنائیوں سے پُر ہے، لڑکی کا باپ یا ماں بنا کر خدا نے آپ کے لیے وہ راہ بہت آسان کر دی ہے، آپ کو لڑکی کا باپ یا ماں بنا کر خدا نے فطری طور پر آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا فرما دی ہے اور آپ طبعی طور پر مجبور ہیں کہ اپنی بچی کے ساتھ اچھا سلوک کریں، اور اسے ماں اور باپ کا پیار دیں۔ اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت یہ ہے کہ لڑکی کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک کرنا ایک طرف تو جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لیے ڈھال ہے اور دوسری طرف جنت کا ذریعہ!

اولاد کی پرورش

اولاد کا دوسرا اہم حق ان کی پرورش ہے۔اولاد اپنے وجود کے لیے جس طرح والدین کی محتاج ہے، اسی طرح اپنی نشوونما اور پرورش ونگرانی کے لیے والدین کی محتاج ہے۔ بچے کی عمر کا ابتدائی حصہ نہایت ہی بے بسی و بیچارگی کا ہوتا ہے۔ اس دور میں اگر اس کو والدین کی سرپرستی اور پرورش میسر نہ ہو تو وہ پروان نہیں چڑھ سکتا، اسی لیے اسلام نے اولاد کے وجود کی قدر و قیمت بتانے کے بعد ان کا دوسرا حق یہ بتایا ہے کہ اچھی طرح ان کی پرورش کی جائے۔

والدین پر خدا کا احسان

اولاد کی پرورش بڑا ہی کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اس کے لیے بے پناہ صبر وتحمل، ایثار و قربانی، دل سوزی اور نرمی اور رحمت درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں بچے کی زبردست محبت پیدا فرما کر اور اس کی پرورش کا نہایت ہی زوردار داعیہ دے کر اس نہایت کٹھن فریضے کو انتہائی خوشگوار، آسان اور دل پسند مشغلہ بنا دیا ہے، پرورش کے دوران طرح طرح کی تکلیفیں سہہ کر ماں باپ نہ صرف یہ کہ اکتاتے نہیں بلکہ ان مشقتوں میں دل کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتے ہیں، اور ہزار تکلیفیں جھیل کر اور طرح طرح کے دکھ اٹھا کر جب اپنے نونہال پر محبت کی ایک نظر ڈالتے ہیں، تو فخر و مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں، اور انھیں ایسا روحانی سرور و اطمینان ہوتا ہے کہ پرورش کی صعوبتوں کا انھیں احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ بچے کی بے پناہ محبت اور اس سے غیر معمولی وابستگی کا جذبہ دے کر خدا نے والدین پر بڑا احسان فرمایا ہے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو شاید اولاد کی پرورش کا حق ادا کرنا ماں

باپ کے لیے زبردست آزمائش کا مسئلہ بن جاتا اور کم ہی لوگ اس نرے فریضے کو، جو سرتاسر مشقت وقربانی ہے، انجام دے پاتے۔

آپ اس ناتواں اور نڈھال ماں کا تصور کیجئے جس نے مہینوں جسم وجان کی قوتیں گھلا گھلا کر ایک ننھے وجود کو قوت پہنچائی اور پھر اپنی جان کی بازی لگا کر ایک نئی جان کو جنم دیا، اس ننھی جان کا خیال کیجئے، گوشت کا ایک بے بس لوتھڑا، جس میں نہ ہلنے کی طاقت ہے نہ کچھ کہنے کی سکت، اور یہی کمزور اور مریض ماں اپنی جان پر کھیل کر کس دلسوزی اور ایثار و قربانی کے ساتھ اس کی پرورش کی تکلیفیں خوشی خوشی برداشت کرتی ہے، بچہ مسلسل روتا ہے، اور وہ ذرا نہیں اکتاتی، وہ بار بار پیشاب پاخانہ کرتا ہے، نہ صرف بستر پر بلکہ اکثر اس کے جسم و لباس پر بھی، لیکن اسے ذرا ناگواری نہیں ہوتی، اور اگر بچے کو کوئی تکلیف ہو جائے تو یہ ناتواں اس کو گود میں لیے لیے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتی ہے، اور ذرا ماتھے پر شکن نہیں لاتی بلکہ بچے کو تکلیف میں دیکھ کر اس طرح تڑپتی ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس کی ساری تکلیف اپنی جان پر اوڑھ کر اسے آرام پہنچا دے۔ یہی حال باپ کا بھی ہے۔ باپ گاڑھے پسینے کی کمائی اس ننھے وجود پر بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ اس کی پیدائش کی خوشی ہو یا عقیقے کی، ہر موقع پر خوشی خوشی اپنی دولت لٹاتا ہے، جھلستی گرمی کی تکلیفیں سہہ کر، سخت لُو کے تھپیڑے کھا کر، چلچلاتی دھوپ میں سخت محنت کر کے اور خون جما دینے والی سردی میں وقت بے وقت دوڑ دھوپ کر کے بڑی مشکل سے جو کچھ کماتا ہے اولاد ہی کی خاطر کماتا ہے اور پھر ان پر صرف کر کے دل نہیں دکھاتا بلکہ انتہائی روحانی سکون وسرور محسوس کرتا ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوتا اگر ماں باپ کے دل میں اس ننھی سی جان کی بے پناہ محبت اور اس کی پرورش کا زبردست داعیہ نہ ہوتا۔

اولاد کی پرورش ایک عام فطری جذبہ

اولاد کی محبت اور اس کی پرورش کا جذبہ ایک عام فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اولاد والے کے دل میں پیدا فرمایا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ اسلام پر ایمان رکھتا ہو یا کسی اور مذہب پر یا سرے سے خدا اور مذہب کا قائل ہی نہ ہو۔

دنیا میں نسل انسانی کی بقا اور اس دنیا کو آباد رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ جذبہ اور داعیہ ہر انسان کو عطا فرمائے تا کہ وہ اپنے فطری جذبے اور داعیے سے مجبور ہو کر اپنی نسل کی پرورش کرے اور یہ دنیا آباد رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی امتیاز کے بغیر ہر ماں اور ہر باپ کو یہ فطری جذبہ عطا فرمایا۔ قدرتی طور پر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کی جگہ لے۔ اس کے نام کو زندہ رکھے، اس کے مال اور دولت کی بھی وارث بنے اور اس کی تاریخ، تہذیب اور روایات کی بھی وارث بنے۔ اولاد اپنے جسم اور اپنی جان ہی کا ایک حصہ ہے، اس لیے قدرتی طور پر اس کی زندگی والدین کو عزیز ہونی ہی چاہیے۔ جو لوگ اولاد کی پرورش کا کوئی واضح شعور اور اس کے محرکات وثمرات کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے وہ بھی اپنے فطری جذبۂ محبت و شفقت کے تحت لازماً اپنے بچے کی پرورش کو اپنا خوشگوار فریضہ اور محبوب مشغلہ سمجھتے ہیں۔ بچے کی خاطر ہر طرح کے دکھ سہنے اور مسلسل ایثار و قربانی کرنے کے لیے ایک عورت کے واسطے صرف یہ رشتہ کافی ہے کہ وہ اس بچے کی ماں ہے چاہے وہ اسلام پر ایمان رکھتی ہو یا اسلام کے سوا کسی دوسرے دین دھرم کو مانتی ہو یا سرے سے دین دھرم کی قائل ہی نہ ہو۔

پرورش کے معاملے میں مسلمان ماں کا امتیاز

خدا نے اولاد کی مامتا اور اس کی پرورش کا زبردست جذبہ ہر ماں کو عطا فرمایا ہے۔ مسلمان ماں کو بھی اور اسلام سے ناواقف ماں کو بھی اور دونوں ہی اپنے دلی جذبے اور فطری داعیے کے تحت اولاد کی پرورش کرتی ہیں۔ لیکن دونوں کے سوچنے کے انداز، محبت و کاوش کے محرکات، عمل وسلوک کے طریقے اور کوشش و کاوش کے اثرات ونتائج میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

اسلام سے محروم ماں بچے کی پرورش سے متعلق جو کچھ سوچتی ہے یا سوچ سکتی ہے، وہ اسی دنیا تک محدود ہوتا ہے۔ موت کی سرحد کے پار اس کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ وہ اپنے بچے کی پرورش اس لیے کرتی ہے کہ وہ اس کی اولاد ہے۔ اس کے دل میں اس کے لیے مامتا کا بے پناہ جذبہ ہے، اولاد کی پرورش دنیا کا معروف طریقہ ہے، اور فطری طور پر اس کے دل

میں یہ داعیہ موجود ہے۔

یہ بھی سوچتی ہے کہ اولاد کے ذریعے اس کی نسل باقی رہے گی یا اولاد بڑی ہو کر اس کو آرام وسکون پہنچائے گی اور اس کا سہارا بنے گی۔ اس اندازِ فکر کے ساتھ وہ اپنے بچے کو اس طرح پالتی پوستی اور پروان چڑھاتی ہے کہ وہ دنیا کے لحاظ سے کامیاب زندگی گزار سکے۔

مسلمان ماں بھی اپنے بچے کی پرورش اسی لیے کرتی ہے کہ اس کے دل میں اولاد کی مامتا کا بے پناہ جذبہ ہے، وہ اس کی نسل کی بقا کا ذریعہ ہے، وہ اس کی زندگی کا سہارا ہے، بڑھاپے کی ٹیک ہے، لیکن اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اس کو ایک دینی فریضہ بھی سمجھتی ہے، آخرت کی نجات اور خدا کی رضا کا وسیلہ بھی جانتی ہے۔ وہ اولاد کو خدا کی امانت اور اپنی آزمائش کا ذریعہ بھی سمجھتی ہے، نیز مسلمان ماں اولاد کی پرورش میں اپنے کو اسلامی احکام و ہدایات کی پابند بناتی ہے، اور اپنے سایۂ رحمت ومحبت میں صرف ایسے نونہالوں کو پروان نہیں چڑھاتی جن کی زندگی کا مقصود صرف یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کو خوشحالی اور آرام کے ساتھ نباہ سکیں بلکہ وہ اپنی سرپرستی میں ایسے مجاہدین تیار کرتی ہے جن کی نگاہیں نہایت دُور رَس ہوتی ہیں، جو دنیا میں خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے اور آخرت میں خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دنیا میں زندہ رہتے اور مرتے ہیں۔

مسلمان ماں کے نزدیک اولاد کی پرورش کا معاملہ صرف اس دنیا کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کے اچھے بُرے اثرات اس زندگی میں بھی سامنے آئیں گے جو آخرت کی زندگی کہلاتی ہے اور جس پر وہ ایمان رکھتی ہے۔ اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے اپنی اولاد کو اسلامی نقطۂ نظر سے ٹھیک اٹھایا اور اسلامی ہدایات کے تحت پرورش کا حق ادا کیا تو میری عاقبت سنور جائے گی۔ وہاں مجھے سرخروئی حاصل ہوگی، میرا خدا مجھ سے خوش ہوگا، جنت سے نوازے گا، اور مجھ پر انعام واکرام کی بارش فرمائے گا اور اگر میں نے اس فریضے میں کوتاہی کی، یا خدا کی ہدایات کے تحت اپنی اولاد کو نہیں اٹھایا، تو میں آخرت میں رسوا ہوں گی۔ میری عاقبت تباہ ہو جائے گی، میرا پروردگار مجھ پر غضب ناک ہوگا اور میں اس کے عذاب کی مستحق قرار پاؤں گی۔

مسلمان ماں اپنے بچے کی پرورش بلاشبہ اس لیے بھی کرتی ہے کہ وہ اپنے جذبۂ مادریت سے مجبور ہے، اور وہ اس کا اچھا بدلہ دنیا میں بھی چاہتی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ اس کا بدلہ اور صلہ اس دن بھی چاہتی ہے جب کہ وہ دنیا کے مقابلے میں صلے اور بدلے کی بہت زیادہ محتاج ہوگی اور جہاں کا بدلہ اور صلہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا۔

ان دو قسم کے محرکات کی بدولت مسلمان ماں کے دل میں اولاد کے لیے محبت کا ایسا دریا موجزن ہوتا ہے، جس کا تصور بھی وہ مائیں نہیں کرسکتیں جو اسلام کی نعمت سے محروم ہیں۔ فطری جذبۂ محبت کی پشت پر جب یہ جذبۂ ایمان بھی ہو کہ یہ اولاد خدا کی خوشنودی کا ذریعہ اور ہمیشہ کی زندگی کو کامیاب بنانے کا وسیلہ ہے تو اس جذبۂ محبت کی وسعت، گہرائی اور جوش وخروش کو وہ مائیں کیسے پاسکتی ہیں جو اس اندازِ فکر اور ان محرکات سے محروم ہیں، نیز یہ اندازِ فکر مسلمان ماں کے جذبۂ عمل میں وہ قوت ونشاط پیدا کردیتا ہے، جو اُن ماؤں کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا جن کی نظر دنیا تک محدود ہے۔

اس اندازِ فکر وعمل کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر ماں کی تمام تر کوششوں اور قربانیوں کے باوجود اولاد ماں کی توقعات پوری کرنے میں ناکام رہے تو بھی ماں اپنے کیے پر کبھی نادم نہ ہوگی، نہ اس پر مایوسی طاری ہوگی اور نہ اس کے جذبۂ عمل میں کوئی اضمحلال پیدا ہوگا۔ بلکہ یہ یقین اسے ہر طرح کے حالات میں تازہ دم رکھے گا کہ اگر دنیا میں اولاد نے اس کی توقعات کو پورا نہ کیا تو نہ سہی جس خدا سے وہ اجر و صلے کی طالب ہے وہ کبھی اپنے بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ بڑا ہی قدردان ہے۔ وہ اپنے بندوں کو حُسنِ عمل کی بھرپور جزا دیتا ہے اور کبھی کسی بندے کو اجر و صلے سے محروم نہیں کرتا۔

إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ الدھر 22:76

''یہ تمہارے لیے (تمہاری کوششوں کا) صلہ ہے اور تمہاری محنتیں اور کوششیں (خدا کے ہاں) مقبول ہوتی ہیں (رائیگاں نہیں جاتیں)۔''

خدا کی قدردانی کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کے نیک عمل میں اپنے فضل وکرم سے حسن وخوبی کا اور اضافہ فرما دیتا ہے اور اجر وانعام کو کئی گنا بڑھا کر اپنے بندے کو نوازتا

ہے اور ایسا نوازنے والا ہے کہ اگر بندے کے عمل میں کچھ کوتاہیاں بھی ہوں تو وہ اجر میں کمی کرنے کے بجائے، کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اجر میں اضافہ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ شوریٰ 23:42

''اور جو شخص بھلائی کمائے گا اس کے لیے اس بھلائی میں حسن وخوبی کا اضافہ کر دیں گے۔ بے شک اللہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور نہایت ہی قدر دان ہے۔''

''پرورشِ اولاد'' کا مطلب..... دو ذمّے داریاں

پرورشِ اولاد ماں باپ دونوں کا مشترک فریضہ ہے اور دونوں مل جل کر ہی اس فریضے کو ادا کرتے ہیں، ''پرورش اولاد کا'' مطلب دراصل دو قسم کی ذمّے داریاں ہیں۔''

1- بچوں کو پالنے پوسنے کی خدمت۔

2- بچوں کے خرچ کی کفالت۔

پہلی ذمّے داری کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کی نشوونما کا خیال رکھا جائے، ان کی حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ ان کی صحت و آرام کا اہتمام کیا جائے، جب تک وہ خود کھانے پینے کے لائق نہ ہوں ان کے کھلانے پلانے کی خدمت انجام دی جائے، ماں بچوں کو اپنا دودھ پلائے اور ان کی خبر گیری کرے۔ دودھ چھڑانے کے بعد بھی بالغ ہونے تک ان کی نگرانی اور ان کی جسمانی اور اخلاقی ضرورتوں کی فکر رکھی جائے تاکہ یہ پل بڑھ کر اپنی انسانی ذمّے داریوں کا شعور حاصل کر سکیں اور ان کو ادا کرنے کے لائق ہوسکیں۔

دوسری ذمّے داری کا مطلب یہ ہے کہ پیدا ہونے کے وقت سے لے کر بالغ ہونے تک اولاد کے سارے خرچ برداشت کیے جائیں، ان کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اور رہنے سہنے کے مصارف بھی ان کی خدمت وصحت، حفاظت ونگرانی اور تعلیم و تربیت کے مصارف بھی برداشت کیے جائیں۔

ذمّے داریوں کی تقسیم

پہلی ذمّے داری یعنی بچے کو پالنے پوسنے کی خدمت اگرچہ ماں باپ دونوں کا فرض

ہے لیکن قدرتی طور پر اس کا زیادہ بوجھ ماں ہی کے سر رہتا ہے۔ اسلام نے بھی یہ حق ماں ہی کو دیا ہے، اور یہ بھی ماں کی ذمّے داری ہے کہ وہ عام حالات میں دو سال تک اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

دوسری ذمّے داری یعنی خرچ کی کفالت یہ تنہا باپ کی ذمّے داری ہے۔ ماں کو خدا نے اس ذمّے داری سے سبکدوش رکھا ہے تاکہ وہ ہر وقت بچوں کے ساتھ رہ کر یکسوئی کے ساتھ اپنے حصے کی ذمّے داری کو بحسن وخوبی ادا کر سکے۔

بچے کو پالنے کی خدمت، ماں کا اصل کارنامہ

ماں کی کوششوں کا حقیقی میدان اس کا گھر اور اس کا اصل کارنامہ بچوں کی دیکھ بھال اور ان کو پالنے پوسنے کی خوشگوار خدمت ہے۔ اسلام نے یہی خدمت اس کے سپرد کی ہے، یہی اس کی کامرانی، شادمانی اور ترقی کا حقیقی میدان ہے اور یہی اس کا اصل کارنامہ، اور اسی کے بارے میں قیامت کے روز اس سے پوچھ گچھ ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَ......... عَنْ رَعِيَّتِهَا (بخاری، مسلم)

"عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگراں اور ذمّے دار ہے، اور عورت سے ان افراد اور چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جن کی وہ نگران بنائی گئی ہے۔"

جب کبھی اور جہاں کہیں عورت کو اس کے حقیقی میدان سے ہٹا کر باہر کے میدان میں گھسیٹا گیا، اور اس کو غیر فطری ترقی کے خواب دکھا کر اس پر اپنی فطری ذمّے داریوں کے علاوہ باہر کی ان ذمّے داریوں کا بوجھ بھی ڈالا گیا، جو خدا نے اس کے سپرد نہیں کی تھیں، اور ترقی کے لالچ میں اس بھولی بھالی مخلوق نے ان دہری ذمّے داریوں کو قبول کر لیا تو گھریلو زندگیاں بھی تباہ ہوئیں، باہر کی زندگیوں میں بھی قیامت کا خلفشار پیدا ہوا اور بچوں کی زندگیاں بھی ویران وبرباد ہو گئیں۔

جن ملکوں میں ابھی یہ تجربے مکمل نہیں ہوئے ہیں، وہاں عورتیں اپنے دل کے ارمان نکالنے پر تلی ہوئی ہیں، اور معاشرہ اندھا دھند اس راہ پر دوڑ رہا ہے۔ لیکن جو لوگ اس تباہ کُن تہذیب کا تجربہ کر چکے ہیں اور اس کے تلخ نتائج بھگت رہے ہیں وہ اپنے کیے پر نادم ہو کر

واپس لوٹنے کی فکر کر رہے ہیں۔ دورِ حاضر کے عظیم مغربی مفکر آرنلڈ ٹائن بی لکھتے ہیں:

''تاریخ انسانی کے وہی ادوار تنزل وانحطاط کا شکار ہوئے ہیں جس میں عورت نے اپنا قدم گھر کی چاردیواری سے باہر رکھا۔''

ڈاکٹر جوڈ لکھتے ہیں:

''مجھے کامل یقین ہے کہ اگر عورتیں اپنے گھروں کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش کرنے ہی کی ذمّے داری پر مطمئن اور قانع ہوجائیں تو یہ دنیا جنت کا نشان بن جائے۔''

(ایشیاء لاہور، 25 اپریل 1956ء)

ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بہت پہلے خبردار کر دیا تھا کہ وہ دور تمہارے لیے بدترین دور ہوگا جب تم بیگمات کے قبضے میں ہوگے اور تمہارے اجتماعی امور و معاملات کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ نیز آپؐ نے فرمایا:

اِذَا كَانَ اُمَرَائُكُمْ شِرَارُكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ بُخَلَاءُ كُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔ (مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

''جب تمہارے حکمران اور ذمّے دار بدکردار لوگ ہوں، اور تمہارے سرمایہ دار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات بیگمات کے حوالے ہوں، تو پھر زمین کی گود تمہارے لیے زمین کی پیٹھ سے بہت زیادہ بہتر ہے۔''

اور خواتین امت کو آپؐ نے بتایا کہ اگر تم اپنی طبعی اور فطری ذمّے داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیتی رہو تو تم جنت میں میرے ساتھ رہو گی یعنی تمہارے طبعی فرائض اور گھریلو ذمّے داریاں خدا کی نظر میں بڑی اہم اور قابل قدر ذمّے داریاں ہیں، کسی پہلو سے بھی ان میں کوئی ذلت اور حقارت نہیں ہے۔ کامیاب اور شادکام تو وہی خواتین ہیں جو اپنی ان ذمّے داریوں کو لگن کے ساتھ انجام دیتی ہیں نہ کہ وہ جو اُن سے پیچھا چھڑاتی اور باہر کی ذمّے داریوں کا بوجھ اپنے سر لے کر ہر میدان میں مردوں کے دوش بدوش رہنا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

اَيُّمَا امْرَاَةٍ قَعَدَتْ عَلٰى بَيْتِ اَوْلَادِهَا فَهِيَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ (کنز العمال)

''جو خاتون اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر بیٹھی رہی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔''

عورت کے لیے اس سے بڑی سعادت اور شادکامی اور کیا ہوگی کہ وہ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہو، اور یہ سعادت ہر خاتون حاصل کرسکتی ہے اگر وہ اپنی اولاد کی دیکھ بھال اور گھر کے کام کاج کو سنبھالے اور اپنی حقیقی ذمّے داریوں کو پورا کرے۔

دراصل عورت کی جسمانی ساخت، اس کے مخصوص پاکیزہ جذبات، اس کے مخصوص اخلاقی اوصاف، اس کی طبیعت کا مخصوص رجحان اور اس کا مخصوص مزاج اللہ تعالیٰ نے اسی کام کے لیے موزوں اور مناسب بنایا ہے، یہ اس کے ساتھ ظلم ہے کہ اس کا فطری کام اس سے چھین کر وہ کام اس سے لیے جائیں، جن کے لیے خدا نے اس کو پیدا نہیں کیا ہے۔

عورت کی طبیعت میں زبردست لچک اور نرمی پیدا فرمائی ہے۔ اس کو صبر و تحمل، ایثار و قربانی، محنت و جان سوزی، شفقت و رعایت، رحم اور دل سوزی، محبت و جان نثاری کے زبردست اخلاقی جوہر عطا فرمائے ہیں، بچوں سے بے مثال طبعی انسیت اور ان کی پرورش سے گہرا شغف بھی عنایت فرمایا ہے، چنانچہ وہ شب و روز اس تھکا دینے والی مہم میں مصروف رہ کر اکتاتی نہیں بلکہ طبعی سکون، شادمانی اور شادکامی محسوس کرتی ہے۔

اس کے برخلاف باپ کو نہ تو اس خدمت کے لیے اس فراوانی کے ساتھ موزوں صلاحیتیں عطا فرمائی گئی ہیں، نہ اس کی طبیعت کو اس کام سے کوئی خصوصی مناسبت ہے اور نہ اس کے پاس زندگی کے عام حالات میں اتنا وقت ہے کہ وہ اس ذمّے داری کا حق ادا کرسکے، اس لیے کہ خدا نے اس پر معاش کے لیے دوڑ دھوپ کرنے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمّے داری ڈالی ہے اور اس کی مناسبت سے اس کو موزوں قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ماں اور باپ کو خدا نے الگ الگ ذمّے داریاں سونپ کر اجتماعی زندگی میں ایک خوشگوار توازن پیدا فرمایا ہے اور دونوں کو اپنے اپنے فرائض کے لحاظ سے مناسب اور موزوں جسمانی اور اخلاقی اوصاف دے کر باہمی تعاون کی زبردست اسپرٹ پیدا فرمادی ہے۔

خواتین کا سب سے اونچا عمل

گھریلو کاموں کو ذلیل سمجھنا، بچوں کی پرورش کو حقیر جاننا اور باہر کے اجتماعی معاملات

میں حصہ لینے کو ترقی سمجھنا غلط اندازِ فکر ہے۔ اسلام نے کچھ حدود کے ساتھ آپ کو اجتماعی معاملات میں حصہ لینے کا حق ضرور دیا ہے لیکن یہ حق نہیں دیا ہے کہ آپ اپنی فطری ذمّے داریوں کو حقیر سمجھیں اور ان سے پیچھا چھڑانے اور باہر کی ذمّے داریوں کو سنبھالنے میں اپنی ترقی سمجھیں۔ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی دراصل یہ ہے کہ آپ اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کر سکیں، اور اعلیٰ انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ آپ بچوں کی پرورش کا حق ادا کریں اور اعلیٰ کردار اور پاکیزہ سیرت کے انسان تیار کریں، اس لیے کہ پاکیزہ معاشرہ اچھے انسانوں ہی سے بنتا ہے۔ اور یہ کام آپ کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا، اچھے انسان اچھی گودوں ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے آپ کے اس عمل کو سب سے اونچے درجے کا عمل قرار دیا ہے۔ آپ کا یہ عمل اسلام کی نظر میں عمل جہاد ہے۔ اور جہاد کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کی بلند چوٹی قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَ عَمُوْدِهٖ وَ ذُرْوَةِ سِنَامِهٖ؟ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَ عَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَ ذُرْوَةُ سِنَامِهِ الْجِهَادُ (ترمذی)

”کیا میں تمھیں دین کا سرا، اس کا ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟ میں نے کہا ضرور بتائیے یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے فرمایا، ”دین کا سرا اطاعت و فرماں برداری ہے، اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔“

اس تعلیم کی روشنی میں آپ اگر گھروں کی دیکھ بھال اور بچوں کو پالنے پوسنے کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں تو آپ میدان جہاد میں ہیں اور خدا کی نظر میں آپ کا وہی درجہ ہے اور صلہ ہے جو مجاہدین کا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهٗ جِهَادُ كُنَّ۔ (مسند احمد ج6)

”گھروں کی دیکھ بھال تمھاری ذمّے داری ہے، یہی تمھارا عملِ جہاد ہے۔“

نیز فرمایا:

مَهْنَةُ إِحْدَاكُنَّ فِيْ بَيْتِهَا تُدْرِكُ جِهَادَ الْمُجَاهِدِيْنَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ (کنز العمال)

''ایک خاتون کی اپنے گھر میں گھر گرہستی کی محنت و مصروفیت مجاہدوں کے عمل جہاد کو پالے گی اگر خدا نے چاہا۔''

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمَرْأَةُ فِیْ حَمْلِھَا اِلٰی وَضْعِھَا وَ اِلٰی فِصَالِھَا کَالْمُرَابِطِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اِنْ مَاتَتْ فِیْ مَابَیْنَ ذَالِکَ فَلَھَا اَجْرُ شَھِیْدًا (کنز العمال)

''ایک خاتون زمانۂ حمل سے لے کر بچے کو جنم دینے تک اور پھر بچے کا دودھ چھڑانے کی مدت تک اس مجاہد کی طرح ہے جو مسلسل خدا کی راہ میں پہرہ دے رہا ہو، اور اگر وہ اس دوران مرجائے تو شہید ہونے کا اجر پاتی ہے۔''

بچوں کی خاطر دوسری شادی نہ کرنے والی خاتون

اگر کسی خاتون کا شوہر مرجائے تو اس کے لیے دوسری شادی کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ پسندیدہ ہے لیکن اگر کوئی خاتون اپنے بچوں کی اچھی پرورش کی خاطر دوسری شادی نہیں کرتی اور یہ سوچ کر کہ معلوم نہیں دوسرے شوہر کے یہاں بچوں کا کیا حال ہو، اور وہ مرنے والے شوہر کے یتیم بچوں پر اپنے حسن اور اپنی جوانی کو قربان کر دیتی ہے، تو اس کا یہ عمل اتنا پسندیدہ اور مقبول ہے کہ وہ قیامت کے روز خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوگی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا وَامْرَأَۃٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّیْنِ کَھَاتَیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ اَوْ مَایَزِیْدَ بْنُ زُرَیْعٍ اِلَی الْوُسْطٰی وَالسَّبَّابَۃِ اِمْرَأَۃٌ اٰمَتْ مِنْ زَوْجِھَا ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَھَا عَلٰی یَتَامَاھَا حَتّٰی بَانُوْا اَوْمَاتُوْا (ابوداؤد)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز میں اور (فکر و غم سے) جھلسے ہوئے رخساروں والی خاتون ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے۔ (یزید بن زُریع نے اپنی بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) یعنی وہ خاتون جو شوہر سے محروم ہوگئی وہ ایک اونچے خاندان کی شریف اور حسین و جمیل لڑکی ہے۔ لیکن وہ اپنے یتیم بچوں (کی اچھی پرورش) کی خاطر دوسرا نکاح کرنے سے باز رہی یہاں تک کہ وہ بچے اس کی سرپرستی سے الگ ہو گئے یا دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

شوہر سے محروم عورت وہ بھی ہے، جس کا شوہر مر گیا ہو اور وہ بھی ہے جس کو شوہر نے

طلاق دے دی ہو، لغت میں ایم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے جوڑے سے محروم ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، یہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شوہر سے محروم خاتون کے اس عمل کو سراہا ہے کہ وہ اپنے یتیم بچوں کی خاطر نکاح نہ کر رہی ہو، اس لیے اصلاً یہاں بیوہ عورت ہی کا ذکر ہے، لیکن اگر کسی خاتون کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہو، اور بچے بھی کسی وجہ سے عورت ہی کے سر آ پڑے ہوں اور ایسی عورت اپنے بچوں کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی تو توقع ہے کہ وہ بھی اسی اجر کی مستحق ہوگی۔

بچوں کی پرورش اور صحابیاتؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والی اور آپؐ کی ہدایت سے فیض یاب ہونے والی صحابیاتؓ آپؐ کے ہر حکم اور ہر تعلیم کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتیں، اور محض خدا کی رضا کے لیے اس پر عمل کا حق ادا کر دیتیں۔ ان پاکیزہ صحابیاتؓ نے بچوں کی پرورش کا بھی حق ادا کر دیا۔ بچوں کی خاطر انھوں نے اپنے عیش و آرام، اپنے جذبات، اپنی امنگیں اور اپنی جوانی سب کچھ قربان کر دیا۔ دراصل انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو صحیح طور پر جذب کر لیا تھا۔

پرورش کا حق ادا کرنے والی ایک ماں

''اللہ میری امی جان کو جزائے خیر دے انھوں نے میری پرورش اور سرپرستی کا حق ادا کر دیا۔''

یہ الفاظ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں اُم انسؓ کے حق میں ادا فرمائے۔

ام انسؓ، ام سلیم کی کنیت سے بھی مشہور ہیں بلکہ ام سلیم کی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں، ان کا اصل نام رمیلہ یا سہلہ تھا۔ اور رمیصاء لقب تھا، ملحان کی بیٹی تھیں جو انصار کے قبیلہ نجار سے تعلق رکھتے تھے۔

ان کا نکاح انھی کے قبیلے کے ایک نوجوان مالک بن نضر سے ہوا تھا۔ انھی سے حضرت

انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ابھی بچے ہی تھے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا مسلمان ہو گئیں۔ ام سلیم اپنے ننھے کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ جب وہ اپنے ننھے کو کلمہ سکھاتیں تو مالک بن نضر بہت خفا ہوتے، آخر کار وہ ناراض ہو کر شام چلے گئے۔

شام میں ان کے ایک دشمن نے موقع پر ان کو قتل کر دیا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا جوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ اب نکاح کے پیغام آنے لگے مگر انھوں نے ہر پیغام رد کر دیا اور کہا:

''میں اس وقت تک نکاح نہیں کروں گی جب تک میرا لال مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے قابل نہ ہو جائے گا پھر جب انس ہی راضی ہوگا کہ میں نکاح کروں تو کرلوں گی۔''

(طبقات ابن سعد: ج ہشتم)

ام سلیم رضی اللہ عنہا جوان تھیں، انس بچے تھے، پریشان تھیں لیکن انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ اس کے سوتیلے باپ کے کسی ناروا سلوک سے انس رضی اللہ عنہ کے ننھے دل کو کوئی دکھ پہنچے۔

پھر جب حضرت انس رضی اللہ عنہ جوان ہو گئے تو ابوطلحہ نے پیغام بھیجا، مگر کیسے قبول کرتیں، ابوطلحہ تو مسلمان نہ تھے۔ لہٰذا رد کر دیا مگر اس حکمت کے ساتھ کہ خدا نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کی حکیمانہ گفتگو کی بدولت ابوطلحہ کی آنکھیں کھول دیں۔ ام سلیم نے کہا:

يَا اَبَا طَلْحَةَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنَّ اِلٰهَكَ الَّذِىْ تَعْبُدُ نَبَتَ مِنَ الْاَرْضِ قَالَ (بَلٰى) قَالَتْ اَفَلَا تَسْتَحْيِىْ ط تَعْبُدُ شَجَرَةً (اصابہ، ج دوم و مسند احمد)

''ابوطلحہ! کیا آپ نہیں جانتے کہ جس چیز کو آپ خدا بنا کر پوج رہے ہیں، وہ زمین سے اگا ہے؟ بولے ہاں جانتا ہوں، کہنے لگیں پھر آپ درخت کی پوجا کرتے ہوئے شرماتے نہیں؟''

یہ سن کر ابوطلحہ سوچ میں پڑ گئے۔ اس وقت تو واپس چلے گئے مگر دل کی سیاہی ڈھل چکی تھی۔ چند دن کے بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ ابوطلحہ کو اسلام کی بے بہا دولت سے خدا نے نواز دیا تو انھوں نے ابوطلحہ کی ناداری اور غربت کی ذرا پروانہ کی اور بولیں، ابوطلحہ! میں تمہارا پیغام قبول کرتی ہوں، میرا مہر تمہارا اسلام ہے۔ اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ نکاح اس فرزند ارجمند کے اہتمام میں ہوا جس کی بہترین پرورش کی خاطر ہی وہ اب تک نکاح سے انکار کرتی رہی تھیں۔ حضرت انس

رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے میری ماں کا مہر بھی عجیب وغریب مہر تھا۔

خدا کی نظر میں اس نیک بی بی کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ نبی ﷺ کے اس بیان سے کیجئے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ خَشَفَةً فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقِيْلَ الرُّمَيْصَاءُ بِنْتُ مِلْحَان۔

(صحیح مسلم جلد دوم، طبقات ابن سعد، جلد ہشتم)

''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے کچھ آہٹ سنی، میں نے پوچھا یہ آہٹ کس کی ہے؟ کہا گیا یہ، ملحان کی لڑکی رمیصاء کی آہٹ ہے۔''

بچوں کی پرورش کی خاطر بے مثال قربانی

صحابیات ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون عزیز ہوسکتا تھا۔ لیکن جب نبی ﷺ نے اپنے شفیق چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی ؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے معذرت کر دی اس لیے کہ بچوں کی پرورش کی اہمیت سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ان صحابیات کو جو تعلیم دی تھی انھوں نے اس کو اچھی طرح جذب کر لیا تھا۔ معذرت کرتے ہوئے جو بات ام ہانی ؓ نے نبی ﷺ سے کہی اس سے اندازہ کیجئے کہ صحابیات ؓ کے نزدیک بچوں کی پرورش کا معاملہ کس قدر اہم تھا۔

ام ہانی ؓ نے کہا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے ان دو آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے، مجھے نکاح کرتے ہوئے یہ خوف لگتا ہے کہ اگر شوہر کا حقِ خدمت ادا کروں گی تو ان جگر گوشوں کا حق نہ ادا کرسکوں گی اور ان بچوں میں لگی رہوں گی تو شوہر کا حق نہ ادا کرسکوں گی۔''

(طبقات ابن سعد تذکرہ اُمِ ہانی ؓ)

یہ وہی ام ہانی ؓ ہیں جن کو خدا نے اس شرف وسعادت سے نوازا کہ فتح مکہ کے دن خدا کے رسول ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور چاشت کی نماز پڑھی، اور جن دو مشرکوں کو رشتے کا لحاظ کرتے ہوئے ام ہانی ؓ نے اپنے گھر میں پناہ دی تھی خدا کے رسول ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی۔ (مسند احمد، جلد ہشتم)

ماں کا دودھ اور اسلامی نقطۂ نظر

بچوں کو پالنے پوسنے کی خدمت میں قدرتی طور پر یہ بات بھی شامل ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو معروف دستور کے مطابق اپنا دودھ پلائیں۔ یہ ماں پر اس کے پیارے بچے کا حق بھی ہے اور ماں کی مادریت کا تقاضا بھی۔ ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا سوسائٹی کا ایک معروف دستور، اور عام معمول ہے اور ہر ماں اپنی طبعی اور فطری ذمّے داری سمجھتی ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

بچے کے وجود کو برداشت کرنا، اس کو جنم دینا اور اس کو پروان چڑھانے کے لیے اپنا دودھ پلانا، ہر ماں کا طبعی وظیفہ ہے، اور وہ اپنے طبعی تقاضوں کے تحت اس وظیفے کو اپنا دل پسند مشغلہ اور فطری فریضہ سمجھتی ہے، اور اپنے ننھے ناتواں معصوم بچوں کا یہ حق سمجھتی ہے کہ انھیں اپنے سینے سے لگائے اور اپنا خونِ جگر پلا کر پالے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَۃَ ط

البقرہ2:233

''اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں، جن کے باپ پوری مدت رضاعت تک دودھ پلوانا چاہتے ہوں۔''

یہ آیت اصلاً ان خواتین کو دودھ پلانے کا حکم دیتی ہے جو شوہروں سے طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدہ ہو چکی ہوں، ماں کا دودھ بچے کا فطری حق ہے اور بچہ صرف باپ ہی کی اولاد نہیں ہے بلکہ ماں کا بھی جگر گوشہ ہے، لہٰذا ماں کو چاہیے کہ بچے کے باپ کا غصہ بچے پر نہ اتارے، اور بچے کی حق تلفی نہ کرے، جب شوہر سے جدا ہونے والی خاتون کو قرآن نے یہ ہدایت دی ہے کہ وہ دودھ پلانے سے انکار نہ کرے، اور بچے کا حق نہ مارے، تو معلوم ہوا کہ بچے کو دودھ پلانا بچے کا حق ہے، اور ماں کی شرعی ذمّے داری ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شوہر سے علیحدہ ہونے والی خاتون کو تو بچے کو دودھ پلانے کا حکم ہو اور شوہر کی زوجیت میں رہنے والی کو یہ حکم نہ ہو، بچے کی ماں ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں، شوہر سے جدا ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ تھا کہ مطلقہ خاتون کا غم و غصہ بچے کی مامتا پر غالب نہ آجائے

اور بچہ اس حق سے محروم نہ ہو جائے، اس لیے قرآن نے ماں کو جذبات پر قابو پانے اور صحیح روش پر قائم رہنے کی ہدایت کی۔ رہیں وہ مائیں جو اپنے شوہروں کی سرپرستی میں ہیں ان کو قرآن نے الگ سے یہ حکم دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلائیں، اس لیے کہ اپنے بچے کو دودھ پلانا ایک عام معمول ہے، اور ہر ماں اپنے دلی جذبات کے تحت اپنے بچے کو دودھ پلا کر ہی دلی سکون اور روحانی سرور محسوس کرتی ہے، اور اس لیے بھی قرآن کی اس آیت سے ان کے لیے یہی حکم صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے۔ لہٰذا قرآن نے اس مسئلے کو قانونی انداز میں مستقل طور پر بیان کیا[1]۔ بلکہ ایک طبعی ذمے داری اور عام معمول کے طور پر اس کا ذکر کیا اور یہ انداز اختیار کیا کہ ہر ماں جس طرح بچے کا بوجھ برداشت کرتی ہے، اس کو جنم دینے کی زحمت اٹھاتی ہے، اسی طرح وہ دو سال تک اپنا خونِ جگر بھی پلاتی ہے۔ [2]

---

(۱) قرآن ہدایت کی کتاب ہے جو اپنی تعلیم وارشاد کے لیے نہایت فطری انداز اختیار کرتا ہے، وہ صرف انھی چیزوں کو قانونی شکل دیتا ہے جن کو قانونی انداز میں بیان کرنے کی واقعی ضرورت ہو، اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ ایک لفظ بھی بے ضرورت بولے۔ بچوں کو دودھ پلانا انسانی سماج کا معروف دستور اور عام معمول ہے۔ جس کا زوردار داعیہ ہر انسان کی طبیعت اور فطرت میں موجود ہے، نہ صرف انسان بلکہ جانور کی طبیعت میں بھی موجود ہے۔ مائیں جن طبعی جذبات اور دلی لگن کے ساتھ اپنے معصوم بچوں کو جوشِ محبت میں دودھ پلاتی ہیں وہی مطلوب اور محبوب ہے، اسی لیے قرآن نے اس کی تائید، تحسین، ترغیب اور اہمیت کی وضاحت پر ہی اکتفا کیا، اور اس کو قانونی طور پر بیان کرنا حکمت کے منافی سمجھا، مومن ماں کے لیے اس ذمے داری کو امتیازی شان کے ساتھ ادا کرنے کے لیے یہی محرک کافی ہے کہ خدا کی کتاب اس کے عمل کی تائید کرتی ہے، اس کو پسند کرتی ہے، اور اس کو نہایت اہم سمجھتی ہے اور مزید یہ کہ خدا کے رسول ﷺ اس عمل پر عظیم انعام اور صلے کی بشارت دیتے ہیں۔

(۲) اب رہا یہ قانونی سوال کہ بچے کو دودھ پلانا ایک مندوب اور محبوب عمل ہے یا واجب اور ضروری امر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے اس کو قانونی طور پر واجب قرار نہیں دیا ہے البتہ اس کی انتہائی تحسین فرما کر زوردار ترغیب دی ہے، اور اس کو انسانی سماج کا عام دستور، ہر ماں کا ایک طبعی تقاضا اور عام معمول تصور کرتے ہوئے ماں کا بے مثال احسان بتایا ہے، لیکن اس کو فرض یا واجب قرار نہیں دیا ہے، لہٰذا دودھ پلانا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ الاحقاف 15:46

''اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر ہی اس کو پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنم دیا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے۔''

اس آیت میں ماں کے تین عظیم احسانات گنائے گئے ہیں۔

۱۔ ماں نے مشقت کے ساتھ بچے کو پیٹ میں رکھا۔

۲۔ مشقت کے ساتھ اس کو جنم دیا۔

(بقیہ) عام حالات میں ماں پر واجب نہیں ہے، لیکن اس کی ترغیب، تائید، تحسین اور عظیم اجر وانعام بیان کرنے سے دین کا منشاء بہرحال واضح ہے۔

قرآن کی آیت جس میں دودھ پلانے کا حکم دیا گیا ہے یعنی: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

''اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔''

بظاہر دودھ پلانے کو واجب قرار دیتی ہے، اس لیے کہ يُرْضِعْنَ مضارع بمعنی امر ہے یعنی قرآن کا حکم ہے کہ مائیں دودھ پلائیں، لیکن یہ حکم صرف پسندیدگی اور خدا کی نظر میں اس کی محبوبیت ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ وجوب ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہے، اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ دوسری جگہ خدا کا ارشاد ہے: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الطلاق 6:65)

''پس اگر وہ تمہارے کہنے کے مطابق دودھ پلائیں تو ان کو اس کا معاوضہ دو۔'' اس لیے معلوم ہوا کہ دودھ کا معاملہ ماں کی رضامندی پر ہے...... اگر دودھ پلانا ماں پر واجب ہوتا تو پھر ماں کی رائے اور اختیار کی کیا گنجائش ہوتی! نیز قرآن نے وضاحت کے ساتھ والدین کو اختیار دیا ہے کہ اگر وہ کسی غیر عورت سے دودھ پلوانا چاہیں اور اس کا مناسب معاوضہ طے کر کے معروف طریقے پر ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ البقرہ 233:2

''اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہو کہ اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلواؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف دستور کے مطابق ان کو ادا کر دو۔''

البتہ اس پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ ماں کا دودھ پلانے کے بجائے غیر عورت کا دودھ پلانے کے محرکات کیا ہیں اور شرعی نقطۂ نظر سے ان محرکات کی حیثیت کیا ہے، باپ کن جذبات کے ساتھ اجنبی عورت کا دودھ پلوانا چاہتا ہے اور ماں کن محرکات کے تحت اپنا دودھ نہیں پلانا چاہتی، اس کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ کسی دوسری عورت کے دودھ میں اور مویشی کے دودھ میں بھی اخلاقی اور طبی لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے۔)

۳۔اور ماں نے اس کو اپنا دودھ پلایا۔

ان تین بے مثال احسانات کا تقاضا ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں کا حق تہرا ہو، قرآن نے جو کچھ اشاروں میں کہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ترجمانی کرتے ہوئے اس طرح وضاحت فرمائی:

''ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں، انھوں نے پوچھا ماں کے بعد کون ہے؟ فرمایا تیری ماں، صحابیؓ نے پوچھا اس کے بعد کون؟ ارشاد فرمایا تیری ماں، انھوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا تیرا باپ۔''

(متفق علیہ ریاض الصالحین، صفحہ ۱۴۱)

قرآن و سنت کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ہر بچے پر ماں کا تہرا حق ہے اس لیے کہ ماں بھی قدرتی وظیفے کے طور پر اپنے بچے کے ساتھ تین سلوک کرتی ہے، نو مہینے تک ضعف پر ضعف اٹھا کر پیٹ میں رکھتی ہے، پھر جان پر کھیل کر جنم دیتی ہے اور پھر دو سال تک اپنا خونِ جگر پلاتی ہے۔ یہ ہر ماں کا طبعی سلوک اور معروف عمل ہے اور اسی کا واسطہ دے کر قرآن نے نہایت حکمت کے ساتھ اولاد کا جذبۂ عقیدت و احسان مندی بیدار کیا ہے کہ وہ باپ کے مقابلے میں ماں کا حق تین گنا سمجھے۔

اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لیے وہ کسی انسان کو بے جا مشقت میں نہیں ڈالتا۔ عام حالات میں تو یہی ہونا چاہیے کہ ماں بچے کو دو سال تک دودھ پلائے لیکن کسی وجہ سے اگر دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا ناگزیر ہو تو اسلام مجبور نہیں کرتا کہ دو سال تک لازماً دودھ پلایا ہی جائے، یا کوئی خاتون مریض ہو یا انتہائی کمزور اور صحت اور زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو حالات کے لحاظ سے دودھ نہ پلانے کی بھی گنجائش ہے، لیکن کسی واقعی معذوری اور ضرورت کے بغیر محض فیشن کے تقاضے میں بچے کو دودھ نہ پلانا بچے کی حق تلفی اور سنگدلی ہے۔

جو خواتین جدید تہذیب کے تقاضوں سے متاثر ہو کر بچے کو دودھ نہیں پلاتیں یا اس خطرے سے اپنے بچے کو اپنے دودھ سے محروم رکھتی ہیں کہ دودھ پلانے سے ان کے حسن و

جمال اور ان کی دلکشی اور رعنائی میں فرق آئے گا اور ان کا شباب تباہ ہو جائے گا، وہ ماں ہوتے ہوئے بھی ماں کی مامتا، ماں کے جذبات اور ماں کے دل سے محروم ہیں۔ اس لیے کہ بچے کے لیے کوئی بھی دودھ ماں کے دودھ کا بدل نہیں بن سکتا۔ اس انداز سے سوچنے والی خواتین کو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ ان ناپسندیدہ محرکات کے تحت اپنے بچوں کو اپنے دودھ سے محروم کرنے والی خواتین کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت ہی دردناک انجام سے ڈرایا ہے۔ معراج کی شب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ انْطَلَقَ بِیْ فَاِذَا بِنِسَاءٍ تَنْهَشُ ثَدْیَهُنَّ الْحَیَّاتُ قُلْتُ مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ یَمْنَعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اَلْبَانَهُنَّ۔ (ترغیب وترہیب)

”پھر مجھے اور آگے لے چلے کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں ہیں جن کی چھاتیوں کو سانپ نوچ رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون عورتیں ہیں، کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتی تھیں۔“

ماں کے دودھ کی شرعی اور اخلاقی اہمیت

ماں کا دودھ بچے کے لیے فطری غذا ہے جو اس کو بھرپور صحت اور توانائی بخشتا ہے، لیکن وہ صرف جسمانی غذا ہی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی غذا بھی ہے، ماں کا دودھ بچے کے قلب وروح، جذبات واحساسات اور اخلاق وکردار پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے، ماں بچے کو اپنا دودھ پلا کر بچے کو صرف صحت بخش غذا ہی نہیں فراہم کرتی بلکہ دودھ کے ہر قطرے کے ساتھ اپنے پاکیزہ خیالات، پاکیزہ رجحانات، اعلیٰ جذبات، بلند تمنائیں اور پسندیدہ اخلاق بھی اس کے جسم وجان میں منتقل کرتی جاتی ہے، اور بچہ قدرتی طور پر ماں کے دودھ کے ساتھ یہ سب کچھ جذب کرتا جاتا ہے۔ اخلاقی طور پر ماں کے دودھ کا معاملہ نہایت اہم ہے، یوں بھی ہر غذا کا اثر آدمی کے اخلاق وکردار پر لازماً پڑتا ہے، لیکن دودھ چونکہ آدمی کی ابتدائی غذا ہے اس لیے اس کا معاملہ اور زیادہ اہم ہے۔

اگر کسی بچے کو کسی بھی وجہ سے اس کی اپنی ماں کا دودھ نہ ملے تو کسی اجنبی خاتون کا دودھ پلانا پڑے تو یہ احتیاط کی جاتی ہے اور کرنا ہی چاہیے کہ دودھ پلانے والی کسی جسمانی

بیماری میں مبتلا نہ ہو، طہارت و نظافت کے لحاظ سے بھی قابلِ اطمینان ہو، جذبات و رجحانات کے لحاظ سے بھی پسندیدہ ہو، اخلاق و کردار کے پہلو سے بھی قابلِ اعتماد ہو اور عادات و خصائل کے لحاظ سے بھی پسندیدہ ہو، تاکہ بچہ اس سے اچھے اخلاق اور پسندیدہ خصائل جذب کر سکے۔

ماں کو بچے سے جو غیر معمولی انس و محبت، گہرا طبعی لگاؤ اور انتہائی قلبی اور روحانی تعلق ہوتا ہے، اس میں بڑا حصہ دودھ کا ہے، جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ نہیں پلاتیں وہ بچے کے سینے میں اپنے لیے وہ جذبات ہرگز نہیں پا سکتیں جو دودھ پلانے ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انھیں اپنے بچے سے سرد مہری، بے تعلقی اور بیگانگی کی شکایت ہے تو وہ خود اس کی ذمے دار ہیں اس لیے کہ عمر کے ابتدائی دو سالوں میں، اپنے گرم سینے سے لگا کر انھوں نے جب بچے کے سینے میں مہر و محبت، خلوص و یگانگت اور روحانی اور قلبی تعلق کی گرمی منتقل ہی نہیں کی تو قدرتی طور پر اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے۔

شریعتِ اسلامی نے دودھ کے معاملے کی اہمیت کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کو اس درجے اہم قرار دیا ہے کہ اس کی بنیاد پر حلت و حرمت کے قانون بنائے۔ عربی میں دودھ پلانے کو رضاعت کہتے ہیں۔ اور اسلام نے رضاعت کو نسب کے قریب قریب قابلِ احترام تسلیم کیا ہے، کسی وجہ سے اگر کوئی بچہ کسی اجنبی خاتون کا دودھ پی لے تو اس خاتون سے اس کا رشتۂ رضاعت ثابت ہو جاتا ہے، دودھ پلانے والی خاتون اس کی رضاعی ماں قرار پاتی ہے، جس کا درجہ قریب قریب وہی ہوتا ہے جو سگی ماں کا ہے اور اس رشتۂ رضاعت کی وجہ سے یہی نہیں ہوتا کہ صرف دودھ پلانے والی خاتون ہی رضاعی ماں بن جاتی ہے بلکہ اس کا شوہر بچے کا رضاعی باپ اور اس کی اولاد بچے کے دودھ شریک بھائی بہن بن جاتے ہیں، اور اس رشتے کا شریعت میں قریب قریب وہی احترام ہوتا ہے جو نسب کے رشتوں کا ہوتا ہے، چنانچہ ان سارے رشتوں میں باہم نکاح اسی طرح حرام ہو جاتا ہے جس طرح رحم کے رشتوں میں حرام ہوتا ہے، قرآن کا ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ النساء4:23

''اور تمہاری وہ مائیں (تمہارے لیے حرام ہیں) جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔''

یعنی وہ رشتے حقیقی ماں باپ کے تعلق سے حرام ہوتے ہیں، رضاعی ماں باپ کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں، اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ (صحیح مسلم)

''اللہ نے رضاعت کے سبب سے ان سارے رشتوں کو حرام کر دیا ہے جن کو نسب کے سبب سے حرام کیا ہے۔''

شریعت میں رضاعت کی اہمیت اس قدر ہے کہ اگر کبھی لاعلمی میں ایسے دو آدمیوں کا آپس میں نکاح ہو جائے، جن کے درمیان رضاعت کا رشتہ ہے تو صرف ایک خاتون کی شہادت سے وہ نکاح ختم ہو جائے گا اور ان دو افراد کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ رشتۂ رضاعت کا علم ہو جانے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی دونوں ایک ساتھ میاں بیوی بن کر رہیں۔

حضرت عقبہؓ بن حارث نے ایک خاتون کے ساتھ شادی کر لی، شادی کے بعد ایک عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے، حضرت عقبہؓ نے بیوی کے خاندان والوں سے معلوم کیا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، آخر عقبہؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ سنا تو فرمایا اب تم لوگ ساتھ کیسے رہ سکتے ہو۔ حضرت عقبہؓ نے اس خاتون کو چھوڑ دیا اور اس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی۔ (صحیح بخاری)

دودھ پلانے کا بیش بہا اجر

بچے کو اپنا دودھ پلانے کی اس غیر معمولی اہمیت اور ان زبردست اخلاقی اور روحانی فائدوں کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نہ پلانے والیوں کو سخت تنبیہ فرمانے کے ساتھ ساتھ اس کی ترغیب بھی دی ہے اور مسلمان خواتین کو متوجہ کیا ہے کہ تم اپنے جگر گوشے کو دودھ پلا کر صرف دنیا ہی میں اس کا صلہ نہیں پاؤ گی بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی تمہیں بیش بہا اجر و

انعام سے نوازا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَهَا مِنْ اَوَّلِ رَضْعَةٍ تُرْضِعُهٗ اَجْرُ حَيَاةِ نَسَمَةٍ (کنزالعمال)

''اور مسلم خاتون کو دودھ کے پہلے گھونٹ کے بدلے جو وہ اپنے بچے کو پلاتی ہے ایک جان کو زندگی بخشنے کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے۔''

نیز دودھ پلانے والی خاتون کو آپؐ نے اس مجاہد کی طرح بتایا ہے جو خدا کی راہ میں مسلسل پہرہ دے رہا ہو، اور اگر اس دوران اس عورت کا انتقال ہو جائے تو وہ شہادت کا اجر پاتی ہے۔

ماں کا دودھ طبی اور نفسیاتی پہلو سے

طبی اور نفسیاتی پہلو سے بھی ماں کے دودھ کے غیر معمولی فائدے ہیں، جن پر طب اور نفسیات کے ماہرین نے بہت کچھ لکھا ہے، ہم یہاں ادارۂ صحت و تحقیقات طبیہ کے قابل قدر تحقیقی مضمون کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں، ان اقتباسات سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گی کہ طب اور نفسیات کے ماہرین اس موضوع پر کس انداز سے سوچتے ہیں، اور آپ کو شرح صدر ہو سکے گا کہ اسلام آپ کو جس حق کے ادا کرنے کی ترغیب دے رہا ہے، اس میں آپ کے اور آپ کی نسل کے لیے کیا کچھ فوائد ہیں:

''جدید تہذیب کے تقاضے ہمیں بہت سے قوانین فطرت سے دور لے جا رہے ہیں، بہت سی حاملہ عورتیں سوچتی ہیں، میں اپنے بچے کو اپنا دودھ پلاؤں یا گائے گا؟ ان کی اطلاع کے لیے یہ لکھنا ضروری ہے کہ گائے کا دودھ ماں کے دودھ کا کبھی بدل نہیں بن سکتا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا بچہ ہر قسم کی ''الرجی'' سے محفوظ رہے اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا بچہ درد شکم، سوءِ ہضم اور پیچش میں مبتلا نہ ہو تو اسے اپنا دودھ پلائیے۔

بچے کے پیدا ہونے کے بعد ماں کا جسم اپنی اصلی حالت میں اسی صورت میں تیزی سے واپس آتا ہے کہ جب وہ بچے کو اپنا دودھ پلائے، اور فطری تقاضوں کو پورا کرے۔ توام اور قبل از وقت پیدا ہونے والے بچوں کے ناتواں جسم میں بھی ماں کے دودھ سے ہی توانائی آتی ہے۔''

ایک ماں کا بصیرت افروز واقعہ

ایک خاتون کے ہاں وقت سے چھ ہفتے پہلے بچہ پیدا ہوا۔ ہسپتال میں نرس نے اس کے زیریں جسم پر کس کر پٹی باندھی تو خاتون نے اس سے پوچھا:

''آپ یہ پٹی کیوں باندھ رہی ہیں؟''

''تاکہ آپ کا دودھ نہ اترے۔''

''لیکن میں تو اپنے بچے کو اپنا دودھ پلانا چاہتی ہوں۔''

''آپ اپنا دودھ نہیں پلا سکتیں۔'' نرس نے ترش روئی سے جواب دیا۔

''آپ کا بچہ قبل از وقت پیدا ہونے کی وجہ سے کمزور ہے، اسے کئی ہفتے آپ سے الگ رکھنا پڑے گا۔''

''معالج!'' خاتون نے نرس کی طرف سے مایوس ہو کر کہا: ''آپ میری مدد کر سکتے ہیں؟ میں بچے کو اپنا دودھ پلانا چاہتی ہوں۔''

معالج نے جھجکتے ہوئے جواب دیا: ''آپ جانتی ہیں آپ کا بچہ کچھ پہلے پیدا ہوا ہے۔''

''اسی وجہ سے تو میں اسے اپنا دودھ پلانا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں اس ناتواں جسم میں جلدی سے توانائی آجائے اور وہ زندہ رہے۔''

''اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' معالج نے جواب دیا۔ ''اگر اسے آپ اپنا دودھ دینا چاہتی ہیں تو ہمیں کسی ذریعے سے آپ کا دودھ نکالنا پڑے گا۔ آپ اس کے لیے تیار ہیں؟''

مامتا کی ماری ماں اس کے لیے تیار تھی، چنانچہ ایک برقی آلے سے اس کا دودھ نکالا گیا۔ بعض مرتبہ گیارہ اونس تک دودھ نکل آتا تھا جس سے ہسپتال کے دوسرے بچے بھی فیضیاب ہوتے رہے، جب ماں کو ہسپتال سے رخصت کیا گیا تو بچے کو وہیں رہنے دیا گیا، کیونکہ اس کا وزن چھ پونڈ سے کم تھا۔ ماں گھر سے ایک پمپ کے ذریعے اپنا دودھ نکال کر بچے کے استعمال کے لیے ہسپتال بھیجتی رہی حتیٰ کہ وہ پانچ ہفتے کا ہو گیا اور گھر آ گیا۔

ہمارے فیشن زدہ طبقے میں کم خواتین ایسی ملیں گی جو مذکورہ بالا خاتون کی طرح اپنے بچے کو اپنا دودھ پلانے پر اصرار کریں گی۔ یہ خاتون اپنی سہیلیوں کی حالت دیکھ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ شیشی پینے والے بچے اکثر دردِ شکم میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کا بچہ قبل از وقت پیدا ہونے کے باوجود جلد ہی معمول پر آ گیا اور قوت کی وہ کمی جو شروع میں محسوس کی گئی تھی جلد ہی دُور ہو گئی۔

ماں کا دودھ اور صحت

جن ملکوں میں تہذیب کے جدید تقاضوں کے تحت مائیں اپنا دودھ پلانے سے گریز کر رہی ہیں وہاں صحت کا معیار گر رہا ہے اور اولاد والدین کی صفات سے مبرّا ہوتی جا رہی ہے۔

شروع کے چند ایام میں ماں کے دودھ میں ''کولوسٹرم'' نامی ایک جز شامل رہتا ہے جو بچے کو حیات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں مدد دیتا ہے، کولوسٹرم میں جتنا وٹامن ''اے'' موجود ہوتا ہے بعد کے ایام میں اتنا باقی نہیں رہتا، اس کی مقدار رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ابتدائی زمانے میں ماں کو اپنا دودھ ضرور پلانا چاہیے، بچے ماں کے پیٹ میں یہ وٹامن حاصل نہیں کرتے، لہٰذا حیات کی ابتدا میں انھیں یہ جز ضرور ملنا چاہیے، کولوسٹرم ننھے بچوں کو بیرونی جراثیم کے حملوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

نوزائیدہ بچوں کو گلے کے عوارض اور نمونیا کا زیادہ خطرہ رہتا ہے، اگر انھیں کولوسٹرم ملتا رہے تو وہ اس خطرے پر قابو پاتے رہتے ہیں۔ اپنی زندگی کے پہلے ایک ماہ کے دوران مرنے والے بچے زیادہ تر اس اہم جز کی کمی کا شکار ہوتے ہیں۔

جدید تحقیقات

محققین اس امر پر متفق ہیں کہ نوزائیدہ بچوں کو ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انھیں ماں کا دودھ دیا جائے۔ یہ غذا ان کے لیے دوا کا درجہ رکھتی ہے، ابتدائے حیات میں لاحق ہونے والی تکلیف بہت کچھ خرابیِ غذا کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اگر غور کیجیے تو جانوروں کا مسئلہ انسانوں سے قطعی مختلف ہے، گائے کا دودھ اس کے

بچے کے لیے نہایت مفید اور مناسب ہے کیونکہ اسے جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہوتا ہے۔ اسے دماغی صلاحیتوں کے مقابلے میں جسمانی توانائی کی ضرورت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ انسان کے بچے کو پیدائش کے جلد ہی بعد چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسے دماغی صلاحیتوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس کا نظامِ اعصاب صحت مند بنیادوں پر استوار ہونا چاہیے، تاکہ وہ جلد سو سکے۔ ماں کا دودھ بچوں کو یہ صلاحیت بخشنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ گائے کا دودھ پینے والے بچے اس نعمت سے محروم رہنے کی وجہ سے قبض یا اسہال کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ماں کے دودھ میں چربی کی مقدار چار فیصد ہوتی ہے، لیکن سیل مچھلی کے دودھ میں چربی کی نسبت چالیس فیصد ہوتی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ سیل مچھلی کو جلد ہی اپنے جسم کے اندر چربی کی ایک تہہ درکار ہوتی ہے تاکہ وہ برف اور برفانی پانی کی شدید خنکی کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے برعکس خرگوش کے دودھ میں پروٹین کی شرح کہیں زیادہ ہوتی ہے، انسانی دودھ کے مقابلے میں دس گنی۔ اس وجہ سے خرگوش کا بچہ بڑی تیزی سے بڑھتا ہے۔ صرف چھ دن میں اس کا وزن روزِ پیدائش کے مقابلے میں دوگنا ہو جاتا ہے۔ انسانی بچے کا وزن دوگنا ہونے میں چھ ماہ کا عرصہ لگتا ہے! یہ ہیں قوانین قدرت!

آپ کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ اب ننھے بچے بھی قلب کے عارضوں میں مبتلا ہونے لگتے ہیں، لیکن جو بچے ماں کا دودھ پیتے ہیں وہ شریانوں کی بیماری سے محفوظ رہتے ہیں۔

اوپر کا دودھ اور قلب کا عارضہ

جدید نظریات کے مطابق ہائی بلڈ پریشر کا مرض زیادہ عمر میں نہیں بلکہ پالنے میں شروع ہوتا ہے۔ اس کا بڑا سبب سوڈیم (sodium) کی وہ بڑھی ہوئی مقدار ہے جو گائے کے دودھ میں موجود ہوتی ہے۔ فیشن زدہ اقوام میں قلب کے عارضوں کی بڑھتی ہوئی رفتار بہت کچھ اوپر کا دودھ پلانے کا نتیجہ ہے۔ گزشتہ دس سال کے عرصے میں امریکہ میں اپنا دودھ پلانے والی ماؤں کی تعداد کم ہو کر نصف رہ گئی ہے۔ ایک برطانوی شہر میں یہ تعداد 77 فیصد سے گر کر 36 فیصد رہ گئی اور پانچ سال کے عرصے میں فرانس میں ماں کا دودھ نہ پینے

والے بچوں کی تعداد 31 فیصد سے بڑھ کر 51 فیصد ہوگئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے ہر جاندار (پستانیہ) کا دودھ صرف اس کی اولاد کے لیے موزوں اور مناسب رکھا ہے۔

نفسیاتی رشتہ

جس بچے کو ماں اپنی آغوش میں لے کر دودھ پلاتی ہے اسے غذا کے علاوہ تحفظ کا انمول احساس بھی ملتا ہے جو زندگی بھر اس کے ساتھ رہتا ہے اور نفسیاتی طور پر اس میں ایک اچھا انسان پیدا کرتا ہے، دودھ کا یہ رشتہ ماں بچے کے درمیان محبت کا اٹوٹ رشتہ بھی قائم کرتا ہے۔ یہ محبت، یہ لگاؤ، بازار میں خریدے نہیں جاسکتے۔

دماغی امراض کے ماہرین کہتے ہیں کہ ان امراض کی بڑھتی ہوئی رفتار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج کا انسان ماں کے پیار سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ جدید تہذیب کے تقاضے ماں اور اس کے بچے کے درمیان ایک مصنوعی دیوار کھڑی کرتے جا رہے ہیں۔ شیشے کی بے جان بوتل اور اس کا حیوانی دودھ ماں کے نرم و نازک بازوؤں اور ہر طرح سے مکمل دودھ کا بدل ثابت نہیں ہوسکتے۔ پھر دودھ پلاتے وقت ماں کو جو طمانیت، جو سکون، جو رحمانی جذبہ محسوس ہوتا ہے اس کا کوئی جواب نہیں۔

اولاد کی کفالت

پرورش کا دوسرا جز اولاد کے خرچ کی کفالت ہے، اسلام نے اولاد کی کفالت کا ذمّے دار تنہا باپ کو قرار دیا ہے، اس لیے کہ معاش کی دوڑ دھوپ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمّے داری اللہ نے مرد پر ڈالی ہے، اور اس کی مناسبت سے اس کو اللہ نے جسمانی، ذہنی اور اخلاقی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ جسمانی توانائی، سخت کوشی، عزم و ہمت، جرأت وتدبر اور شجاعت وحوصلہ وہ جسمانی اور اخلاقی قوتیں ہیں جو مرد کو عورت کے مقابلے میں زیادہ عطا کی گئی ہیں۔ اس لیے کہ اس کی مخصوص ذمّے داری کے لیے ان قوتوں اور صلاحیتوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ عورت کو خدا نے معاش کی دوڑ دھوپ سے سبکدوش رکھ کر گھریلو ذمّے داریاں سونپی ہیں تو اس کی مناسبت سے موزوں قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں اور دونوں کو اپنے اپنے کام سے طبعی دلچسپی عطا فرمائی تاکہ دونوں اپنے اپنے حصے کے فرائض پوری دلجمعی، نشاط، ذوق وشوق اور دلی لگن کے ساتھ انجام دے سکیں۔

کفالت کا مطلب

کفالت کی ذمّے داری کا مطلب یہ ہے کہ بچے کی ولادت سے بالغ ہونے کے وقت تک بچے کے ہر طرح کے مصارف باپ برداشت کرے۔ اس کی ولادت کے مصارف، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے کے مصارف، اس کی خدمت ونگہداشت کے مصارف۔ اس کی صحت و آرام کے مصارف، کسی غیر عورت سے دودھ پلانا ہو تو اس کا معاوضہ، اور اگر بچے کی ماں کو طلاق دے دی ہو اور وہ دودھ پلائے تو اس کا معاوضہ، غرض بچے کی پرورش اور نشوونما کے لیے ہر قسم کے خرچ برداشت کرنا باپ کی شرعی ذمّے داری

ہے۔ اگر باپ خوش حال ہو تو بچے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے اور بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا بھی مستحب ہے۔

کفالت کی ذمّے داری اور باپ کے جذبات

باپ اولاد کا یہ حق نہایت کشادہ دلی سے ادا کرتا ہے، انتہائی محنت اور جاں فشانی سے کمائی ہوئی دولت جب وہ اپنی اولاد پر بے دریغ خرچ کر کے اولاد کو خوش وخرم دیکھتا ہے تو اس کی ساری تکان دور ہو جاتی ہے۔ اس کے پدرانہ محبت کے جذبات کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور وہ خوشی سے جھوم اٹھتا ہے۔

خدا نے باپ کے سینے میں پدری محبت کا بے پناہ جذبہ پیدا فرما کر اس پر بھی زبردست احسان کیا ہے اور اولاد پر بھی۔ اس فطری محبت کے بغیر محض تقاضائے فرض کے طور پر اولاد کی کفالت بڑا کٹھن کام تھا۔ اور کم ہی لوگ اس فرض کا حق ادا کر پاتے۔ نتیجے کے طور پر اولاد کی پرورش انسانی معاشرے کا ایک سنگین مسئلہ بن جاتا اور اولاد بالعموم پرورش سے محروم رہ جاتی۔ اولاد پر بھی خدا کا احسان ہے کہ اس نے اولاد کے دل میں ان کی زبردست محبت و پیار پیدا کر کے ان کی پرورش کو والدین کے لیے نہایت خوشگوار فرض اور انتہائی محبوب اور دل پسند مشغلہ بنا دیا۔

کفالت کا دینی تصور

مسلمان باپ اپنی اولاد کی کفالت اس لیے بھی کرتا ہے کہ وہ اولاد سے فطری محبت رکھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ تصور بھی رکھتا ہے کہ اولاد کی کفالت ایک دینی فریضہ ہے، خدا نے ان کو میرے سپرد کیا ہے کہ میں ان کی نگرانی اور سرپرستی کروں۔ اپنی اولاد پر خرچ کر کے وہ اپنے پدری جذبات کو تسکین بھی دیتا ہے اور خدا سے یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ وہ آخرت میں اس حسنِ عمل کا اس کو بیش بہا صلہ عطا فرمائے گا۔

اولاد کی فطری محبت کے ساتھ جب یہ زوردار محرک بھی مل جاتا ہے کہ اولاد کی کفالت آخرت کی شادکامی کا ذریعہ ہے تو یہ فریضہ نہایت آسان اور دل پسند بن جاتا ہے اور مسلمان

باپ اپنی عاقبت بنانے اور خدا کی نظر میں محبوب بننے کے لیے اس فرض کو عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ اولاد کی کفالت کے لیے سخت سے سخت مشقتیں جھیل کر اور زبردست قربانیاں دے کر بھی خوش اور مطمئن ہوتا ہے کہ مجھے خدا نے حسنِ عمل کی توفیق بخشی ہے اور اس نے میرے سپرد جو امانت کی تھی میں نے اسے ضائع نہیں کیا۔ اولاد پر خرچ کر کے بجا طور پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کے حکم کے مطابق خدا کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت ابومسعود البدریؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِهٖ نَفَقَةً یَحْتَسِبُھَا فَھِیَ لَهٗ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

''جب کوئی شخص محض خدا کو خوش کرنے اور آخرت میں اجر پانے کے لیے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ خرچ (خدا کی نظر میں) صدقہ قرار پاتا ہے۔''

احتساب کے ساتھ کسی عمل کو کرنے کے معنی یہ ہیں کہ محض خدا کی رضا اور آخرت کے اجر کے لیے عمل کیا جائے اور اس کے پیچھے کوئی اور جذبہ نہ ہو۔

اُسوۂ حسنہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یہاں جب سب سے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیمؓ کی ولادت ہوئی تو آپؐ کے غلام ابورافع نے آپؐ کو خوشخبری سنائی، آپؐ نے اس خوشی میں اسی وقت ایک غلام آزاد کر دیا۔ جب ساتواں دن ہوا تو عقیقہ کیا اور بچے کے بال اتروائے۔ آپؐ نے ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی راہِ خدا میں خیرات کی۔

دودھ پلانے کے لیے انصار کی بہت سی خواتین نے پیشکش کی، آپؐ نے ان میں سے خولہ بنت زید انصاریؓ کو اس خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور ابراہیمؓ کو ان کے حوالے کر دیا اور اس خدمت کے معاوضے میں ان کو کھجور کے کچھ درخت عنایت فرمائے۔

عقیقہ

بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا اور اس کی ترغیب دی ہے۔ لیکن یہ ضرور پیشِ نظر رہے کہ عقیقہ صرف ایک مستحب صدقہ ہے، فرض نہیں ہے کہ لازماً کیا جائے۔ اگر کوئی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ باپ خوش حال ہو تو

بہتر یہی ہے کہ عقیقہ کرے۔ یہ بچے کی جان کا صدقہ ہے۔ عقیقہ کر دینے سے الا بلا دور ہو جاتی ہے اور آفات و مصائب سے بچے کی حفاظت رہتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

كُلُّ غُلَامٍ رَهِينٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمَّى فِيهِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ

(جامع ترمذی)

''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض رہن ہے، ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اسی روز اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال اتروائے جائیں۔''

عقیقہ دراصل اس جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی ولادت کے ساتویں روز بطور صدقہ ذبح کیا جائے، اگر ممکن ہو تو لڑکے کی طرف سے دو بکرے یا بکریاں ذبح کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک، لیکن لڑکے کے عقیقے میں دو بکریاں ذبح کرنا ضروری نہیں، ایک بکری یا بکرا بھی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ یہ چونکہ بچے کی جان کا صدقہ ہے اور بچے کی جان ان کے عوض رہن ہے اس لیے عقیقہ کرنا پسندیدہ عمل ہے بشرطیکہ مالی حالات اچھے ہوں۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةُ! اِحْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِوَزْنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ (جامع ترمذی)

''علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا! ان کے بال اتروادو اور بالوں کا وزن کر کے اتنے وزن کی چاندی خیرات کر دو۔ تو ہم نے ان کے بالوں کا وزن کیا، بال ایک درہم کے برابر ہوئے یا ایک درہم سے کچھ کم۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے ایک بکری یا بکرا ذبح کرنا بھی جائز ہے۔ کسی کو خدا نے دیا ہے اور وہ دو جانور کرنا چاہتا ہے تو خوشی سے کرے لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور کرنا ضروری نہیں، ایک بھی کر سکتے ہیں۔

عقیقہ ساتویں روز کرنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے ساتویں روز نہ کر سکیں تو پھر چودھویں روز یا اکیسویں روز کریں، اور اس کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔ البتہ اس کا لحاظ رکھا جائے کہ جب بھی کریں حساب لگا کر ولادت کے ساتویں دن ہی کریں۔

عقیقہ مسنون تقریب ہے، سنت کی پیروی کی نیت سے نہایت سادہ انداز میں اس تقریب کوانجام دیں، نمودونمائش،فخر و برتری، رسم ورواج کی پابندی جیسے جذبات سے اس سنت کی مٹی پلید نہ کریں۔ جولوگ اس مسنون تقریب میں طرح طرح کی فضول خرچیاں کرتے ہیں، گانے بجانے کا اہتمام کرتے ہیں وہ خودکوبھی دھوکہ دیتے ہیں اوراپنے خداکو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔سنت کے نام پرسنت کومٹانا بدترین جرم ہے۔ایسے عقیقے سے اجروثواب کی توکیاامید، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس گستاخی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح کو اذیت پہنچےاورخداناراض ہو۔

ختنہ

ختنہ تمام انبیاء کی سنت اور اسلامی شعار ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَلْفِطْرَۃُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْاِبِطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ وَ تَقْلِیْمُ الْاَظْفَارِ (الادب المفرد:ص188)

’’فطرت (سلیم) پانچ چیزیں ہیں، ختنہ کرنا، زیرناف کے بال صاف کرنا،بغل کے بال نوچنا، موچھیں کترنا،اورناخن کاٹنا‘‘

الفطرت سے مرادفطرت سلیم ہے،یعنی یہ پانچ چیزیں جوطہارت ونظافت اورخوش ذوقی کا تقاضا اور علامت ہیں، انسان کی فطرت میں داخل ہیں، بشرطیکہ انسان نے اپنی فطرت کواپنی بدعملی اور بدذوقی سے مسخ نہ کرلیا ہو، یہ پانچوں چیزیں پرانے زمانے سے انبیاء کی سنت رہی ہیں،سارے انبیاء ان پرعمل کرتے رہےاورسب کی شریعتیں ان پرمتفق رہی ہیں۔گویا یہ انسان کی فطرت اورجبلت ہے،جس پراللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔

اگر بچہ زیادہ کمزور نہ ہوتو بہتر یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرالیا جائے، اس میں دو مصلحتیں ہیں، ایک یہ کہ بچے کی کھال اس وقت بہت نرم اور پتلی ہوتی ہے، جلد اچھی ہو جائے گی، دوسری مصلحت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث سے ساتویں دن ختنہ کا جواشارہ ملتا ہے، اس کی بھی تعمیل ہو جائے گی۔ حضرت سلیمانؓ بن عامر کہتے ہیں میں نے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے:

مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى (بخاری)

"بچے کی ولادت کے ساتھ عقیقہ ہے، پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی وغیرہ دور کرو۔"

گندگی وغیرہ دور کرنے سے مراد بال اتروانا اور نہلانا وغیرہ ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک ختنہ بھی اسی حکم میں داخل ہے، اس لیے کہ وہ بھی گندگی دور کرنے اور پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنے کے لیے ہے۔

لہٰذا مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز ختنہ کرالیا جائے اور اگر کسی وجہ سے نہ کرائیں تو چالیس دن کے اندر اندر کرالیں۔ ورنہ جب بھی کرائیں، پہلے یا بعد میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ دو باتوں کا خیال رہے، ایک یہ کہ بہت زیادہ تاخیر نہ کرالیں، ساتویں سال تک کرالیں اس لیے کہ پھر کھال سخت اور موٹی ہو جاتی ہے اور تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔[1] دوسری بات یہ کہ اس سنت کو نہایت سادہ انداز میں کسی بڑے اہتمام کے بغیر ادا کریں۔ اگر حالات سازگار ہوں اور اس سنت کو ادا کرنے کی خوشی میں اپنے دوست احباب کو کچھ کھلائیں پلائیں تو گنجائش ہے لیکن اس کو مستقل تقریب کی شکل دینا اور نمود و نمائش کے لیے کچھ خرچ کرنے کی ضرورت سمجھنا اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ بے وجہ اپنے اوپر کچھ چیزیں لازم کرنا اور پھر زیر بار ہونا اور اپنے لیے پریشانیاں پیدا کرنا شریعت کی نافرمانی ہے۔[2] حضرت

---

(۱) حضرت انور شاہؒ فرماتے ہیں کہ اسلاف کے عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ختنہ اس وقت ہو جب بچے میں کچھ شعور پیدا ہو جائے، تاکہ ختنے کے وقت بچے کے ذہن پر یہ اثر پڑے کہ دین کی اتباع میں مجھے دکھ اور مصائب بھی برداشت کرنا ہیں، دین کی خاطر میرے کسی عضو کا حصہ بھی کاٹا جا سکتا ہے اور میرا خون بھی بہایا جا سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک وہی بات صحیح ہے جو اوپر لکھی گئی ہے، بہت سے علماء نے اس کی تائید بھی کی ہے اور اس میں آسانی بھی ہے اور دین آسان ہے، بے وجہ مشقت میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔ (یوسف)

(۲) حضرت سالمؒ کہتے ہیں جب ابن عمرؓ نے ہماری اور نعیم کی ختنہ کرائی تو اس خوشی میں انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا تو میں نے دیکھا کہ ہم اپنے ساتھ کے بچوں میں فخر اور خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہماری طرف سے مینڈھا ذبح کیا گیا۔ (الادب المفرد، ص ۱۸۲)

عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی نے اپنے یہاں تقریب ختنہ میں شرکت کی دعوت دی تو انھوں نے انکار کر دیا، جب ان سے نہ جانے کی وجہ پوچھی گئی تو بولے: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سعادت میں نہ ہم کبھی ختنہ کی تقریب میں شریک ہوتے تھے، اور نہ بلائے جاتے تھے۔''

بہتر یہی ہے کہ اس سنت کو اس طرح سادگی کے ساتھ ادا کیا جائے کہ خواہ مخواہ لوگوں کے لیے پریشانی اور زحمت کا باعث نہ بنے۔

البتہ بچے کا باپ خوشحال ہو اور وہ اس خوشی میں کہ خدا نے اس کو اس سنت کے ادا کرنے کی توفیق بخشی، کچھ لوگوں کو کھانے پینے پر بلانا چاہے یا کچھ شیرینی تقسیم کرنا چاہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ البتہ اس سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ کوئی رسم نہ بن جائے۔ اور پھر اس رسم کے لوازم اور مصارف کی وجہ سے یہ آسان اور اہم سنت امت کے لیے پریشان کن مسئلہ بن جائے۔

دودھ پلانے والی کا معاوضہ

دودھ پلانے والی خاتون کا معاوضہ باپ کے ذمے ہے، اگر بچے کی ماں کو بچے کے باپ نے طلاق دے دی ہو یا اس نے خلع کر لیا ہو تو بہتر یہ ہے کہ بچے کو اس کی ماں سے ہی دودھ پلوایا جائے اور ماں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے بچے کو اپنے دودھ سے محروم نہ کرے اور بچے کے باپ پر فرض ہے کہ وہ بچے کی ماں کی کفالت کرے اور اس کے لباس و طعام کا خرچ اٹھائے اور اگر ماں نہ ہو یا ماں کسی وجہ سے دودھ پلانے سے معذور ہو یا کسی معقول وجہ سے کسی غیر عورت کا دودھ پلوانا ہو تو بھی اس کا معاوضہ ادا کرنا باپ کی شرعی ذمّے داری ہے۔ اگر باپ کا انتقال ہو گیا ہو تو بچے کا دادا یا جو بھی بچے کا ولی موجود ہو وہ معاوضہ ادا کرنے کا ذمّے دار ہوگا۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ إِذَا سَلَّمۡتُم مَّآ ءَاتَيۡتُم بِٱلۡمَعۡرُوفِۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ ۝٢٣٣ البقرہ 2:233

''اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔ جن کے باپ چاہتے ہوں کہ وہ پوری مدت رضاعت تک دودھ پئیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انھیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالا جائے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف دی جائے کہ بچہ اس کا ہے اور نہ باپ کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا بچے کے باپ پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے سے ادا کر دو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔''

اس آیت سے رضاعت کے متعلق سات (۷) اصولی ہدایتیں ملتی ہیں:

7- مائیں اپنے بچوں کو عام حالات میں دو سال تک اپنا دودھ پلائیں۔

2- جو مائیں کسی وجہ سے بچوں کے باپ سے علیحدہ ہو گئی ہوں وہ بھی اپنے بچوں کو پوری مدت دودھ پلائیں اگر بچوں کے باپ چاہتے ہوں کہ ان کے بچے پوری مدت دودھ پئیں۔

3- دودھ پلانے کی مدت میں بچے کی ماں کے کھانے کپڑے کے مصارف بچے کے باپ کے ذمے ہوں گے۔

4- بچے کا باپ نہ ہو تو دادا یا جو بھی بچے کا ولی وارث ہو وہ دودھ پلانے کا معاوضہ ادا کرنے کا ذمے دار ہوگا۔

5- کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو تنگ کیا جائے کہ وہ بچے کی ماتا سے مجبور ہو کر چار و نا چار دودھ پلائے گی ہی، لہٰذا اس کو کم سے کم معاوضہ دیا جائے اور نہ باپ سے زیادہ معاوضے کا مطالبہ کر کے اس کو پریشان کیا جائے۔

6- اگر بچے کے ماں باپ آپس کی رضامندی اور مشورے سے دو سال سے پہلے ہی

دودھ چھڑانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

7- ماں کسی وجہ سے بچے کو اپنا دودھ نہ پلانا چاہے تو غیر عورت سے بھی دودھ پلوانا صحیح ہے، البتہ اس سے معاوضہ طے کر کے معروف طریقے کے مطابق ادا کر دینا چاہیے۔

یہ اصولی ہدایتیں محض تلاوت کے لیے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لیے ہیں اور ان پر وہی لوگ ٹھیک ٹھیک عمل کر سکتے ہیں، جو دو بنیادی جوہر اپنے اندر پیدا کریں۔ یعنی اللہ کا تقویٰ، اور خدا کے بصیر ہونے کا علم ویقین۔

تقویٰ سے مراد خدا کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہے۔ یعنی آدمی خدا کے ڈر سے کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جو اس کے غضب کا سبب ہو، اور خدا کی محبت میں دلی جذبات کے ساتھ ہر وہ عمل کرے جو خدا کی رضا کا سبب ہو۔

اور خدا کے بصیر ہونے کا یقین وہ زبردست ایمانی قوت ہے، جو ایک طرف آدمی کو غفلت، بے پروائی اور غلط راہ پر پڑنے سے محفوظ رکھتی ہے اور دوسری طرف خدا سے اجر و انعام پانے کے لیے مستقل طور پر سرگرم کار رکھتی ہے۔

اولاد کی کفالت کا حکم قرآن میں

بے شک قرآن میں اولاد کی کفالت کا حکم اس طرح کے لفظوں میں صاف صاف تو نہیں ہے کہ ''اولاد کی کفالت کرو'' یا ''اولاد کی کفالت فرض ہے'' مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اولاد کی کفالت کا حکم قرآن میں نہیں ہے اور اس کی تاکید یا ترغیب صرف حدیث میں ہی آئی ہے۔

قرآن دراصل نہایت ہی بلند کلام ہے۔ وہ احکام وقوانین بیان کرنے کے لیے انتہائی حکیمانہ انداز بیان اختیار کرتا ہے جس میں انسانی فطرت، انسانی جذبات اور انسانی نفسیات کی کامل رعایت ہوتی ہے۔

اولاد کی کفالت انسانی سوسائٹی کا ایک ایسا معروف، فطری، طبعی اور محبوب جذباتی عمل ہے کہ قرآن نے اسے حکم کے عنوان سے بیان کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ اور

ساتھ ہی نہایت حکمت کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کی کہ باپ بچے کی کفالت کا ذمے دار ہے۔

اوپر کی آیت میں کہا گیا ہے کہ باپ اپنے بچے کو جس خاتون سے بھی دودھ پلوانا چاہے اس خاتون کو روٹی کپڑا یا دودھ کا معاوضہ دینے کا ذمے دار ہوگا۔ اور اگر باپ نہ ہو تو جو بھی بچے کا ولی وارث ہو اس پر واجب ہے کہ وہ دودھ پلانے والی کا حق ادا کرے۔ ایک غیر عورت کی کفالت کی ذمے داری قرآن نے آپ پر اسی لیے تو ڈالی ہے کہ اس نے آپ کے بچے کو دودھ پلایا ہے۔ ایک غیر عورت اگر آپ کے بچے کو دودھ پلائے تو اس کا آپ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ آپ معروف طریقے پر اس کا خرچ برداشت کریں، یہ اسی لیے ہے کہ اس نے آپ کے بچے کو دودھ پلایا ہے، آپ کے بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے ایک اجنبی عورت کی کفالت کی ذمے داری تو آپ پر آئے اور خود بچے کی کفالت کی ذمے داری آپ پر نہ ہو، یہ کیسے ممکن ہے۔ دودھ پلانے والی کو آپ جو کچھ دیتے ہیں وہ آپ کے بچے کی غذا اور خدمت ہی کا تو معاوضہ ہے۔ اس معاوضے کا ذمے دار باپ کو قرار دے کر قرآن نے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ بچے کی کفالت کا ذمے دار تنہا اس کا باپ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے الفاظ میں اسی حقیقت کی ترجمانی فرمائی ہے۔

اولاد کی کفالت حدیث کی روشنی میں

حدیث میں اولاد کی کفالت پر کئی پہلوؤں سے گفتگو کی گئی ہے، ان پہلوؤں کو نگاہ میں رکھ کر ہی ایک مسلمان دین کے منشا کے مطابق اولاد کی کفالت کر کے اپنی کامرانی اور شادمانی کا سامان کر سکتا ہے۔

اولاد کی کفالت اولین ذمے داری

آپ کو اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس میں سب سے پہلا حق آپ کی اولاد کا ہے۔ اولاد پر خرچ کرنا نری دنیاداری نہیں ہے بلکہ دین کا عین تقاضا ہے۔ دین کی ہدایت یہ ہے کہ سب سے پہلے اولاد کی ضروریات پوری کی جائیں۔ ان کی ضروریات پوری کرنا دنیاداری نہیں

دینداری ہے۔ ان کا حق مار کر یا ان کو ترستا چھوڑ کر آپ صدقہ وخیرات کریں تو یہ پسندیدہ نہیں۔ اصولی طور پر وہی صدقہ وخیرات پسندیدہ ہے جس کے بعد بھی خوش حالی رہے اور بچے کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔ ایسا صدقہ جس کے بعد بچوں کی ضروریات کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اور نہ یہ بات دین کی روشنی میں کوئی نیک عمل ہے کہ بچے تو تیرا منہ تکتے رہیں اور آپ دوسرے مصارف خیر میں صرف کرتے رہیں، اسی طرح یہ بھی فہم دین سے محرومی کی بات ہے کہ آدمی کے اپنے بچے تو فاقہ مستی میں مبتلا ہوں، ان کو تو ناپ تول کر دیا جائے اور شہرت و ناموری کے لیے یا ذاتی عیش وآرام کے لیے کشادہ دلی سے خرچ کیا جائے۔ آپ کے مال و متاع کے اولین مستحق آپ کے پیارے بچے ہیں، خواہ وہ اس بیوی ہی کے کیوں نہ ہوں جس کو آپ نے طلاق دے دی ہے۔ بہرحال وہ آپ کے بچے ہیں، ان کو تنگی میں رکھ کر آپ خود عیش کریں یا دوسروں کو عیش کرائیں۔ ان کو ترسا ترسا کر دیں، یہ حق تلفی ہے اور دوسروں کو دینے میں کشادہ دلی اور فراخ دستی دکھائیں، آپ کا یہ عمل قابلِ اصلاح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت آپ کے لیے یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اولاد کی ضروریات پوری کریں۔

قَالَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (بخاری)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سب سے اچھا صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی خوش حالی برقرار رہے اور سب سے پہلے ان پر صرف کرو جن کی کفالت تمہاری ذمے داری ہے۔''

اس حدیث سے مسلمان ماں باپ کو ایک متوازن، معتدل اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق نقطۂ نظر ملتا ہے۔ ہر انسان کی فطری خواہش ہے کہ اس کا مال اس کی اولاد کے کام آئے اور وہ آرام وآسائش کی زندگی گزارے۔ مال و دولت کمانے کا سب سے بڑا محرک بھی یہی ہے اور سب سے پہلا پسندیدہ مصرف بھی یہی ہے۔ اسلام صدقہ وخیرات پر بہت زور دیتا ہے، بلکہ اس کو ایمان کا تقاضا قرار دیتا ہے اور بخل اور تنگ دلی کو نفاق کی علامت بتاتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیتا ہے کہ سب سے پہلے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرو جن کے تم کفیل بنائے گئے ہو۔ اولاد کی ضروریات کو نظر انداز کر کے

صدقہ وخیرات کرنا اسلام کا منشا نہیں ہے۔ بہترین صدقہ وہی ہے جس کے بعد بچے کسی تنگی اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

بچوں کی کفالت سے غفلت، سنگین گناہ

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُّضِيْعَ مَنْ يَّقُوْتُ (ابوداؤد)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ضائع کر رہا ہے جن کو وہ کھلاتا پلاتا ہے۔''

آدمی جن لوگوں کا کفیل بنایا گیا ہے ان کی کفالت سے غفلت برتنا اور ان کو ضائع کر دینا ایسا سنگین جرم ہے کہ تنہا یہی جرم اس کو خدا کا نافرمان اور گناہگار قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ اس غفلت اور کوتاہی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

یہ کہ وہ نمود و نمائش میں تو خوب خرچ کر رہا ہو لیکن اہل و عیال کے حقوق سے غافل ہو۔

یہ کہ خود تو داد عیش دے رہا ہو اور اولاد فاقہ مستی میں مبتلا ہو۔

یہ کہ دین کی صحیح سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا مال و متاع دوسرے خیر کے کاموں میں لگا رہا ہو اور اہل و عیال کی ضروریات سے غفلت برت رہا ہو۔ یہ کہ اولاد موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو اور وہ بے حس ہاتھ پیر ہلانے اور کچھ کرنے کے لیے تیار ہی نہ ہو۔

وہ خرچ جس کا اجر سب سے بڑھ کر ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ وَ دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ۔ (صحیح مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ایک اشرفی وہ ہے جو تم نے خدا کی راہ میں خرچ کی، ایک اشرفی وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے خرچ کی، ایک اشرفی وہ ہے جو تم نے کسی غریب کو صدقہ میں دی، اور ایک اشرفی وہ ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کی۔ ان میں سب سے بڑا اجر اس اشرفی کا ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر

خرچ کی۔"

اس روایت کی مزید وضاحت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"سب سے بہتر اشرفی وہ اشرفی ہے، جس کو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ اشرفی ہے جس کو آدمی راہ خدا کے ساتھیوں پر خرچ کرتا ہے۔ ابوقلابہ (ایک درمیانی راوی) کہتے ہیں، آپؐ نے بال بچوں پر خرچ کرنے سے بات شروع کی اور پھر فرمایا اس آدمی سے بڑھ کر اجر و انعام کس کا ہوسکتا ہے جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے تاکہ خدا ان کو مانگنے سے بچائے اور خوش حال بنائے رکھے۔"

(جامع ترمذی)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰی اَهْلِهٖ وَ تَعَطُّفًا عَلٰی جَارِهٖ لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ وَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانُ (بیہقی)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے حلال ذرائع سے دنیا طلب کی تاکہ اپنے کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچائے رکھے اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی مہیا کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمک رہا ہوگا۔ اور جس نے حلال طریقے سے دنیا اس لیے کمائی کہ وہ دوسروں سے مال و دولت میں بڑھ جائے، دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے، نمود و نمائش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔"

بچوں پر خرچ کرنے والی ماں کا اجر

اسلام نے باپ کو بچوں کی کفالت کا تنہا ذمّے دار قرار دے کر ماں کو معاش کی دوڑ دھوپ سے آزاد کر دیا ہے تاکہ وہ پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنے حصے کے فرائض انجام دے سکے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ماں اگر اپنے بچوں پر خرچ کرے تو

وہ اجر وثواب سے محروم رہے گی۔ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا شوہر نادار اور معذور ہو اور ماں اپنے بچوں کی کفالت کرے تو وہ اپنے اس حسنِ سلوک کا اجر وصلہ ضرور پائے گی۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِیْ فِیْ بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلَیْھِمْ وَلَسْتُ بِتَارِکَتِھِمْ ھٰکَذَا وَ ھٰکَذَا اِنَّمَا ھُمْ بَنِیَّ؟ فَقَالَ نَعَمْ لَکِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْھِمْ۔ (متفق علیہ)

''حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہتی ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کیا مجھے ابوسلمہؓ کے بیٹوں پر خرچ کرنے سے اجر وثواب ملے گا؟ میں انھیں اس طرح تو نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ در بدر محتاجوں کی طرح مارے مارے پھریں، وہ میرے ہی بیٹے تو ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں تم ان پر جو کچھ خرچ کرو گی اس کا اجر ضرور پاؤ گی۔''

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، انھی کے بارے میں آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، اس حدیث سے دو اشارے ملتے ہیں:

ایک یہ کہ ماں اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی ذمّے دار نہ سہی، لیکن جو کچھ خرچ کرے گی، اس کا اجر اور صلہ ضرور پائے گی۔

دوسرا اشارہ یہ ملتا ہے کہ ایک مومن ماں کا طرزِ فکر کیا ہونا چاہیے۔ حضرت ام سلمہؓ اولاد کی فطری محبت سے مجبور ہیں کہ ان کی سرپرستی کریں اور ان کی ضروریات پوری کریں۔ خود کہتی ہیں: ''میں انھی اس طرح تو نہیں چھوڑ سکتی کہ یہ محتاجوں کی طرح در بدر مارے مارے پھریں۔''

لیکن ساتھ ہی انھیں فکر اس بات کی بھی ہے کہ ان کے اس حسن عمل کا اجر آخرت میں بھی ملے، اس لیے کہ مومن کے ہر عمل کی بنیاد ہی آخرت ہے۔ وہ آخرت کی کامرانی سے بے پروا ہو کر کچھ نہیں کرتا۔

لڑکی کی پرورش

پرورشِ اولاد کی ان عام ہدایات کے ساتھ ساتھ اسلام نے لڑکی کی پرورش پر

خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا ہے اور لڑکی کی پرورش کا عظیم اجر و انعام بتا کر خاص طور پر اس کی ترغیب دی ہے۔

دراصل لڑکی ایک کمزور مخلوق ہے، برسوں تک اس کی پرورش اور کفالت کے بعد بھی اس سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ وہ اس کا کچھ صلہ یا بدلہ والدین کو دے سکے گی، یا کما کر لا سکے گی۔ اس سے کسی خدمت کی توقع بھی نہیں ہے، اس لیے کہ جونہی یہ خدمت کے لائق ہوتی ہے، یہ کسی دوسرے کی خدمت کے لیے حوالے کر دی جاتی ہے۔ کوئی آڑا وقت آجائے تو مدافعت کا حق بھی نہیں ادا کر سکتی۔ ان حالات میں اگر اسلام کی تعلیم آدمی کے سامنے نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ لڑکی کی پرورش کا حق ادا نہ کر سکے اور اس کو وہ پیار و محبت اور عزت و مقام نہ دے سکے جس کی یہ مستحق ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان ہدایات کی بار بار یاد دہانی کی جاتی رہے جو لڑکی کی پرورش سے متعلق خصوصیت کے ساتھ اسلام نے دی ہیں۔

قابلِ رشک صلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ۔
(صحیح مسلم)

”جس شخص نے دو بیٹیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ دونوں بالغ اور جوان ہو گئیں (اور اپنے گھروں کی ہو گئیں) تو روز قیامت وہ اس حال میں آئے گی کہ وہ اور میں ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ ہوں گے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔“

ایک مومن ماں اور مومن باپ کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ قیامت کے دن اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میسر ہو۔ اس حدیث میں آپؐ نے ”تبلغا“ کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ بڑا ہی بلیغ ہے، اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ دونوں جوان ہو گئیں اور یہ بھی کہ وہ اپنی منزل یا مقصد کو پہنچ گئیں جس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گھر اپنے شوہر کی سرپرستی میں پہنچ گئیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْنِي مِسْكِيْنَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا فَاَطْعَمْتُهَا

ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا تَمْرَةً وَرَفَعَتْ إِلَى فِيْهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا فَاسْتَطْعَمَتْهَا ابْنَتَاهَا فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُرِيْدُ اَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا فَأَعْجَبَنِي شَأْنُهَا فَذَكَرْتُ الَّذِي صَنَعَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ اَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ اَوْ اَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

''حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک غریب عورت اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئی آئی، میں نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک کھجور اپنی دونوں بچیوں کو دی، اور ایک کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ میں ڈالنے لگی تھی کہ ان بچیوں نے وہ بھی مانگی۔ عورت نے اس کھجور کے بھی دو ٹکڑے کیے جسے خود کھانا چاہ رہی تھی، اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ مجھے اس کی یہ بات بہت ہی بھلی لگی، میں نے اس کا یہ کارنامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ نے ان دونوں بچیوں کی پرورش کی بدولت اس کے لیے جنت واجب کردی اور اس کو جہنم کی آگ سے نجات بخش دی۔''

بیٹی ماں باپ کی جنت

اگر خدا نے آپ کو بیٹی کی ماں یا بیٹی کا باپ بنایا ہے تو آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں، خدا نے آپ کی جنت آپ کی نگرانی میں دے دی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس جنت کی حفاظت کریں یا اسے ضائع کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین کی پوری قوت کے ساتھ یہ خوشخبری دی ہے کہ اگر آپ نے بیٹی کی پرورش کا حق ادا کیا تو آپ کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے، کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يُؤْوِيهِنَّ وَيَكْفِيهِنَّ وَيَرْحَمُهُنَّ فَقَدْ وَجَبَ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ بَعْضِ الْقَوْمِ وَثِنْتَيْنِ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ وَثِنْتَيْنِ۔ (الادب المفرد)

''جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں، وہ تینوں کو اپنی سرپرستی میں رکھے، ان کی ضروریات پوری کرے اور ان پر رحم کھائے تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ کسی قبیلے کے ایک آدمی نے پوچھا اور اگر دو بیٹیاں ہوں یا رسولؐ اللہ، فرمایا دو ہوں (تب بھی یہی اجر ہے۔)''

اِیمان افروز انقلاب

اسلام کی ان انقلابی تعلیمات کی بدولت چند سال کی مختصر مدت کے اندر عرب کی سرزمین میں جو ایمان افروز انقلاب آیا وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ اس حیرت انگیز انقلاب کی برکتوں کا صحیح اندازہ تو انھی خوش نصیبوں کو ہوگا جو اس دورِ سعادت میں موجود تھے جن کی آنکھوں نے اس ذہنی تبدیلی سے پہلے کے حسرت ناک مناظر بھی دیکھے تھے۔ لیکن آج بھی اگر تاریخ و سیرت کے صفحات میں اس دورِ سعادت کی کوئی جھلک سامنے آجاتی ہے تو آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں اور ایمان تازہ ہوجاتے ہیں۔

دورِ رسالت سے پہلے کے عرب کی سرزمین میں فضیلت و عظمت کی بات یہ تھی کہ باپ اپنی بیٹی کے حق میں انتہائی سنگدل اور ظالم ہو، اور وہ اپنی معصوم اور کمزور بچی کی زندگی پر اس کی موت کو ترجیح دے سکتا ہو، اس دور کا ایک شاعر کہتا ہے:

تھوی حیاتی و اھوٰی موتھا شفقا
وَالْمَوْتُ اکْرمُ نزال علی الحرام

''وہ میری زندگی کی تمنا کرتی ہے اور میں اس پر شفقت کی خاطر اس کی موت کا خواہاں ہوں، اس لیے کہ عورت کے لیے سب سے زیادہ قابلِ عزت و اکرام مہمان اس کی موت ہے۔''

ایک اور شاعر کہتا ہے:

اِنَّ النساء شیاطین خلقن لنا
نعوذ باللّٰہ من شر الشیاطین

''حقیقت میں یہ عورتیں شیاطین ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ خدا ہمیں ان شیاطین کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔''

رئیس بہراہ کی لڑکی کا انتظام ہوا تو ابوبکر خوارزمی نے تعزیت نامہ لکھتے ہوئے ان جذبات کا اظہار کیا:

''اگر آپ مرنے والی کے پردے اور حجاب کا ذکر کرتے یا اس کی خوبیاں یاد کرتے ہیں تو بھی آپ کے لیے تعزیت کے بجائے مبارکباد ہی زیادہ سزاوار ہے۔ اس لیے کہ ناقابلِ اظہار چیزوں کا چھپ جانا ہی بہتر ہے، اور بچیوں کو دفن کر دینا ہی سب سے بڑی فضیلت ہے۔ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ اگر کسی کی شریکِ حیات اس کی زندگی ہی میں مرجائے تو گویا اس کو ساری نعمتیں مل گئیں اور اگر اس نے اپنے ہاتھوں اپنی بیٹی کو گڑھے میں دبا دیا تو گویا اس نے اپنے داماد سے بھرپور انتقام لے لیا۔''

بنوتمیم کے سردار قیس بن عاصم نے خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی دس بے گناہ بچیوں کو زندہ دفن کیا۔ ایک اور صاحب نے اپنی دردناک آپ بیتی کا حسرت ناک نقشہ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھینچا کہ آپؐ بے چین ہو گئے اور اتنا روئے کہ آپؐ کی مبارک داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

اسی عرب سوسائٹی نے اسلام قبول کر کے جب اسلامی تعلیمات کو جذب کیا تو چند سال میں اس کی کایا پلٹ گئی، کمزور بچی کا حقیر وجود جو کبھی ان کے لیے شرم اور ذلت کا باعث تھا، وہ ان کے لیے سرمایۂ فخر ونجات بن گیا۔ جو اپنی بچیوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، وہ اب غیروں کی بچیوں کو پالنے کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے۔

ایک عجیب وغریب منظر

عمرے سے فارغ ہونے کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے سے واپسی کا ارادہ کرنے لگے تو ایک یتیم بچی چچا چچا کہتی ہوئی دوڑی آئی۔ یہ حضرت حمزہؓ کی بچی تھی جو مکے میں رہ گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر بچی کو گود میں اٹھالیا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں دیتے ہوئے فرمایا لو یہ تمہارے چچا کی بیٹی ہے اور پھر حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ اس بچی کو لینے کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے۔

حضرت جعفر طیارؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ بچی مجھے ملنی چاہیے۔ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ اور میں اس لیے اس کا زیادہ حقدار ہوں کہ اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔
حضرت زیدؓ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ بچی میرے حوالے کیجئے۔ بچے کے باپ میرے دینی بھائی تھے۔

حضرت علیؓ جو پہلے ہی اس کو گود میں اٹھا چکے تھے بولے حضورؐ! یہ میری بہن ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے۔ اس لیے مجھے ہی ملنی چاہیے۔
بچی کی پرورش کے لیے بے تابی کا یہ بڑا ہی عجیب وغریب اور خوش کن منظر تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں کی گفتگو پر غور فرمایا اور پھر بچی کو اس کی خالہ کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا ''خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔'' (بخاری: ج ۲ ص ۶۱۰)
اس دور میں لڑکی سے پیار ومحبت، اس کی عزت ووقعت، اس کی پیدائش پر خوشی اور اس کی پرورش کے لیے بے تابی کے پاکیزہ جذبات اس حد تک بڑھے کہ ایک بدو شاعر کو طنزاً کہنا پڑا:

"غدا الناس مذ قام النبی ﷺ الجواریا"۔ (سیرت النبیؐ ج ششم)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد تو لڑکیوں کی یہ کثرت ہے کہ بس لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔''

حُسنِ سلوک

اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان پر رحم کھائیں، ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئیں، ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھیں، ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ کریں، ان کو خوش رکھنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جن سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ ان کا دل ٹوٹے، ان پر مایوسی طاری ہو، یا ان کی خودداری اور عزتِ نفس مجروح ہو۔

آپ کے ننھے پیارے بچے، جو آپ کے بس میں ہیں، آپ کی طرف شفقت طلب نظروں سے دیکھتے ہیں، یہ آپ کے لیے خدا کا انعام ہیں۔ اس انعام میں خدا کا شکر ادا کیجیے اور اس کے انعام کی ناقدری نہ کیجیے، اولاد کی قدر کیجیے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیجیے جس کے یہ مستحق ہیں۔

اولاد خدا کی امانت ہے، اس امانت کی حفاظت کیجیے اور اپنی نادانی اور بدسلوکی سے اس امانت کو ضائع نہ کیجیے۔ اولاد کے ساتھ ایسا سلوک کیجیے کہ یہ کسی لائق ہو کر دنیا کے لیے بھی رحمت ثابت ہوں اور آپ کے لیے بھی عزت و عظمت، نیک نامی اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بنیں۔

بدسلوکی کے بدترین نتائج

اگر آپ کا سلوک اپنی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں ہے تو یہ اپنے ساتھ بھی زیادتی ہے، اولاد کے ساتھ بھی زیادتی ہے اور اپنے معاشرے کے ساتھ بھی۔

بات بات پر غصہ کرنا، چیخنا، چلاّنا، ڈانٹنا، جھڑکنا، برا بھلا کہنا، ناکارہ، نالائق، مہمل

جیسے الفاظ سے یاد کرنا۔ اس کی نادانیوں اور شرارتوں سے تنگ آکر ان سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرنا، گالی دینا، کوسنا اور ان پر سختی کرنا۔ ان کو بیجا مشقت میں مبتلا کرنا، ان کو کسی وقت کھیل کھیلنے اور ہنسنے بولنے کا موقع نہ دینا اولاد کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ اور اس بدسلوکی کے نتائج انتہائی تلخ اور انتہائی حسرت ناک ہوتے ہیں، اولاد کے حق میں بھی، ماں باپ کے حق میں بھی اور معاشرے کے حق میں بھی۔

بچے اپنی ابتدائی عمر میں جب کہ وہ نادان، کمزور اور بے بس ہوتے ہیں، آپ کی محبت و مہربانی کے بھی مستحق ہوتے ہیں، آپ کی مشفقانہ ہمدردی اور مدد کے بھی اور آپ کی رہنمائی اور رہبری کے بھی، لیکن آپ کے سائے میں اگر انھیں ان تین نعمتوں کے بجائے صرف غصہ، قہر اور سخت گیری ہی میسر آئے تو فطری طور پر وہ آپ سے مایوس اور بیزار ہوں گے۔ آپ سے دور دور رہنے اور گھر سے بھاگنے کی کوشش کریں گے اور جہاں بھی انھیں ان تین نعمتوں کی جھلک نظر آئے گی وہ بے اختیار ادھر لپکیں گے۔ بچوں کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ وہ حقیقی محبت اور مصنوعی محبت میں فرق کر سکیں، اخلاص اور فریب کو پہچان سکیں۔ اور سوسائٹی کے بدقماش لوگوں کو ایسے بچوں کو ورغلانے اور اپنے گھناؤنے جال میں پھانسنے کا موقع مل جاتا ہے اور یہی نادان بچے دھیرے دھیرے سوسائٹی کے لیے وبال بن جاتے ہیں اور بڑے بڑے جرائم کرنے لگتے ہیں۔

اور اگر خوش قسمتی سے یہ بچے برے لوگوں کے چنگل میں پھنسنے سے بچ جائیں تو بھی والدین کے لیے مستقل دردسر ہوتے ہیں، ان کو اپنے ماں باپ سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ ماں باپ کی بدسلوکی اور سخت گیری کے نتیجے میں بچوں کے دل میں ماں باپ کے لیے وہ پاکیزہ جذبات پیدا ہی نہیں ہوتے، جو سعادت مند اولاد کے دل میں ہوتے ہیں، ماں باپ زندگی بھر اُن کی نافرمانی اور نالائقی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ درآنحالیکہ ان کو باغی اور سرکش بنانے میں سب سے گہرا اثر انھی کے برے سلوک کا ہوتا ہے اور جس بات کی ساری ذمّے داری یہ اولاد کے سر ڈال کر ان کی شکایت کرتے ہیں اس بگاڑ میں ان کا اپنا حصہ اولاد سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

ماں باپ کی بدسلوکی اور سخت گیری کے شکار بچوں کے احساسات کس قدر عجیب اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔اس کا کچھ اندازہ ذیل کے واقعے سے ہوسکتا ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک سمجھدار نوجوان سے میں نے پوچھا، والدین کے ساتھ آپ کے تعلق اور سلوک میں وہ جوش وخروش محسوس نہیں ہوتا جس کی آپ جیسے شخص سے توقع ہوتی ہے۔نوجوان نے ایک سرد آہ بھری اور پھر اپنی سبق آموز آپ بیتی سناتے ہوئے اپنے بچپن کے عجیب و غریب احساسات کا ذکر اس طرح کیا۔

''میرے والد خدا انھیں خوش رکھے نہایت ہی سخت مزاج، سخت گیر اور جلاّد قسم کے انسان ہیں، میں بچپن میں ان کے قہر وغضب اور سختی سے ہر وقت لرزہ براندام رہتا۔ میں رات کو سوتا تو صبح کو اٹھنے کے لیے دل میں کوئی ولولہ نہ ہوتا۔اور صبح کو اٹھتا تو ان کے سامنے آنے سے کتراتا رہتا اور یہ آرزو ہوتی کہ کاش آج کا دن سکون سے گزر جائے، ایک دن بھی ایسا نہ ہوا کہ مجھے ڈانٹ پھٹکار نہ سننا پڑے، اور میں مار پیٹ سے بچ جاؤں۔اگر کبھی دن کا بڑا حصہ سکون سے گزر جاتا تو میں بڑا خوش ہوتا کہ آج بڑا مبارک دن ہے۔ میں بچ گیا، لیکن شام ہوتے ہوتے میری خوشی خاک میں مل جاتی۔

والد صاحب سفر پر بھی جاتے رہتے، اور جب مجھے معلوم ہوتا کہ ان کی واپسی کی تاریخ قریب ہے تو مجھے غم ہوتا۔ہاں کبھی یہ سوچ کر باہر سے ضرور کوئی کھانے پینے کی چیز بھی لائیں گے، اس خوشی میں ان کا انتظار بھی کرتا۔

والد صاحب کا یہ قہر وغضب اور بے مہری دیکھ کر میں یہی سوچا کرتا کہ باپ ایسے ہی سخت مزاج، سخت گیر اور قہر وغضب والے ہوتے ہیں۔اور جب کسی شخص کو اپنے باپ سے زیادہ تندرست اور طاقتور دیکھتا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا کہ یہ نہایت بہادر اور غصے والے ہیں تو میرے رنج اور دکھ کی کوئی انتہا نہ رہتی، میں سوچتا ان کے بچوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔وہ تو زندگی سے بیزار ہوں گے، ہر وقت ڈانٹ پھٹکار سنتے اور مار پیٹ سہتے ہوں گے اور بعض اوقات میں واقعی رو پڑتا اور جب کسی کے باپ کو دیکھتا کہ نہایت ہی کمزور، بیمار یا

معذور ہیں اور بہت ہی نرم خُو اور مسکین طبع ہیں تو اس بچے کی خوش قسمتی پر رشک کرتا اور سوچا کرتا کہ کاش میرے والد بھی ایسے ہی کمزور، مسکین طبع اور نرم مزاج ہوتے۔''

والدین کی بدسلوکی کا تیسرا برا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بچے اخلاقی اعتبار سے انتہائی پست ہوتے ہیں، اور وہ ان اخلاقی جوہروں سے بالعموم محروم ہوتے ہیں جن کی بدولت کوئی انسان دنیا یا دین کے لیے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ وہ خود اعتمادی، جرأت، ہمت، حوصلہ، خودداری، عظمت، استقلال، خوش اخلاقی، خوش مزاجی اور خوش کلامی وغیرہ اخلاقی فضائل سے محروم ہوتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ جھنجھلاہٹ، تنگ نظری، کم ظرفی، احساسِ کمتری، بخل، تنگ دلی اور غرور وریا جیسے رذائلِ اخلاق کا شکار ہوتے ہیں، وہ اکثر اپنے وجود کو نہایت حقیر، بے مصرف اور نکمّا سمجھتے ہیں اور اپنے اس عیب کو چھپانے کے لیے اپنی برتری اور بڑائی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔

اگر آپ واقعی اولاد کی بہی خواہ ہیں، تو ان کا حق ادا کیجئے اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیجئے جیسے سلوک کی آپ خود ان سے توقع کرتی ہیں۔ اس وقت آپ اولاد جیسی نعمت کی خیر و برکت کو دیکھ اور محسوس کر سکیں گی۔ اور اولاد کے دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے یہ دعا نکل سکے گی:

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾ بنی اسرائیل 24:17

''پروردگار! ہمارے ماں باپ پر رحم فرما، جس طرح بچپن میں انھوں نے مہربانی اور شفقت کے ساتھ ہماری پرورش کی تھی۔''

حُسنِ سلوک کی تاکید قرآن میں

قرآن تاکید کرتا ہے کہ اولاد کے ساتھ نرمی اور عفو و درگزر کا برتاؤ کیا جائے۔ اور شفقت و مہربانی سے پیش آیا جائے۔ اولاد کی کوتاہیوں پر ان کو سزا دینا، ان سے انتقام لینا اور ان پر غصہ اتارنے کے لیے سختی کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔ خدا انھی لوگوں کے قصور بخشتا اور انھی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ معافی، درگزر اور بخشش کا سلوک کرتے ہیں۔

وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴﴾ التغابن 14:64

''اور اگر تم ان کو معاف کر دو، ان سے درگزر کرو اور ان کو بخش دو تو اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

کچھ لوگ اسلام لانے کے باوجود ہجرت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ ہوا یہ کہ جب انھوں نے مدینے کو ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے گھر والے آڑے آئے۔ انھوں نے کہا ہم نے یہ تو برداشت کر لیا کہ تم مسلمان ہو گئے لیکن اب یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تمھیں اپنے سے جدا ہونے دیں، اور بیوی بچوں نے کچھ اس طرح ان کے جذباتِ محبت کو ابھارا کہ ان کے دل پسیج گئے اور وہ ہجرت سے رُک گئے، پھر جب یہ لوگ مدینے پہنچے اور انھوں نے دیکھا کہ جو لوگ اس وقت ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے تھے، وہ دین کی سُوجھ بُوجھ میں ان سے بہت آگے ہیں، تو ان کو بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے سوچا کہ اس عظیم نقصان کا سبب ہمارے بیوی بچے ہیں، چنانچہ بیوی بچوں کے خلاف ان کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی اور انھوں نے بیوی بچوں سے انتقام لینے اور ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر قرآن نے ان کو ہدایت کی کہ بے شک گھر والوں کی نادانی سے تم ہجرت کی فضیلت سے محروم رہے، لیکن تم نے خود ہی تو ان کو دین کے تقاضے پر ترجیح دی، لہٰذا آئندہ تم ان سے ہوشیار رہو، لیکن ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھو کہ خدا یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم گھر والوں کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، ان سے انتقام لو، اور ان کو سزا دو، ان کے ساتھ اچھا سلوک ہی دین کا تقاضا ہے۔ خدا خود بہت زیادہ بخشنے والا ہے اور بخشنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے، اگر تم خدا کی مغفرت اور رحمت کے طالب ہو تو اولاد کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کرو۔ ان کو معاف کر دو، ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور ان کو بخش دو۔

احنف بن قیس کی نصیحت

احنف عرب کے مشہور سردار تھے، ان کی شان و شوکت، ان کی دانائی، ان کی بُردباری اور جاہ و جلال کا عرب میں بڑا شہرہ تھا۔ حضرت معاویہؓ ان کا بڑا لحاظ فرماتے اور کہا کرتے یہ بگڑ جائیں تو سمجھو ایک لاکھ عرب بگڑ گئے۔

ایک بار حضرت معاویہؓ نے ان کو اپنے یہاں بلوایا، جب آپ تشریف لائے تو پوچھا، ابو بحر! اولاد کے ساتھ سلوک کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ احنف بن قیس نے کہا:

''اولاد ہماری دلی آرزوؤں کا ثمرہ اور کمر کی ٹیک ہے۔ ہم اس کے لیے اس زمین کی طرح ہیں جو نہایت ہی نرم اور بالکل بے ضرر ہے۔ ہمارا وجود اس کے لیے اس آسمان کی طرح ہے جو اس پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ ہم اس کے سہارے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی ہمت کرتے ہیں۔ لہٰذا اولاد اگر آپ سے کچھ مطالبہ کرے تو خوش دلی کے ساتھ اسے پورا کیجئے۔ اگر وہ کبھی غمزدہ ہو اس کے دل کا غم دور کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ سے محبت کرے گی۔ آپ کی پدرانہ کوششوں کو پسند کرے گی، آپ کبھی اس کے لیے ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ نہ بنیے کہ وہ آپ کی زندگی سے اکتا جائے، آپ کی موت چاہنے لگے اور آپ کے قریب آنے سے نفرت کرے۔''

حسنِ سلوک کی تاکید حدیث میں

اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک پر حدیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے دنیوی فائدے بھی بتائے ہیں اور آخرت کے اجر و انعام پر بھی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اس معاملے میں انسان سے جہاں جہاں فکری یا عملی غلطیاں ہوتی ہیں، ان پر بھی نہایت حکمت کے ساتھ متوجہ کیا ہے تاکہ حسنِ سلوک کا حق ادا ہو سکے، اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔

سلوک میں مساوات

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عُمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وُلْدِكَ قَالَ لَا. قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ وَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنِّيْ لَا اَشْهَدُ مِثْلَ هٰذَا عَلٰى جَوْرٍ۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے بشیرؓ سے فرمایا: اَيَسُرُّكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا اِلَيْكَ فِيْ

اَلْبِرِّ سَوَاءً؟ یعنی ’’کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سارے بچے تمہارے ساتھ یکساں سلوک کریں۔‘‘ حضرت بشیرؓ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ’’پس تم ایسا نہ کرو۔‘‘

یہ تو انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے سارے بچوں کے ساتھ یکساں محبت کرے، طبعی طور پر کبھی کسی بچے کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے، محبت میں مساوات نہ انسان کے قابو میں ہے اور نہ اس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ حدیث میں جس بات کا مطالبہ اور تاکید ہے وہ سلوک اور برتاؤ ہے۔ آپ کی اولاد ہونے کے ناطے آپ کے سارے بچے برابر ہیں اور سب کا آپ پر یکساں حق ہے، لہٰذا آپ سب کے ساتھ یکساں نیک سلوک کریں اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیں۔ ایک بچے کو دوسرے پر ترجیح دینا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس طرح ایک کی حق تلفی ہوتی ہے اور اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس سے بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے۔ جس کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے، اس میں برتری اور بڑائی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور وہ دوسرے بہن بھائیوں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے، اور جن بچوں کے ساتھ سلوک میں کمی کی جاتی ہے، ان میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے اور وہ نفسیاتی طور پر اپنے وجود کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں جس سے ان کی اخلاقی اور جسمانی اٹھان پر برا اثر پڑتا ہے۔ ساتھ ہی محبت وشفقت اور ایثار وقربانی کے وہ جذبات بھی مجروح ہوتے ہیں جو ہر شخص کے دل میں اپنے بہن بھائیوں کے لیے قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح والدین کے لیے عزت واحترام اور عظمت وعقیدت کے جو جذبات ہوتے ہیں وہ بھی مجروح ہوتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلی بیوی یا پہلے شوہر کی اولاد اور موجودہ شریک حیات کی اولاد کے درمیان برابری کا سلوک نہیں کیا جاتا۔ جس بیوی یا شوہر سے جدائی ہو چکی ہے اس کی اولاد کے مقابلے میں نئی بیوی یا نئے شوہر کی اولاد کی زیادہ قدر کی جاتی ہے اور پہلے شریک حیات کی اولاد کے حقوق نظر انداز ہوتے ہیں...... اگر آپ کا دل اس اولاد کی طرف سے صاف نہیں ہے یا ان کی عادتیں اور اطوار آپ کو پسند نہیں ہیں اور آپ کی طبیعت ان کی

طرف مائل نہیں ہوتی تو آپ مجبور ہیں، لیکن اسلام آپ سے یہ مطالبہ ضرور کرتا ہے کہ آپ اس کے باوجود سلوک و برتاؤ میں سب کے ساتھ برابری ضرور کریں۔ اگر ایک کے لیے آپ عیش و آرام کے سارے سامان مہیا کریں اور دوسرے کو ترسائیں تو آپ شریعت کی نظر میں مجرم ہیں۔

آپ اپنے طرز عمل کی تاویلیں کر کے اپنے نفس کو دھوکا دے سکتے ہیں، دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں لیکن خدا کی نظر سے نہ اپنا جرم چھپا سکتے ہیں، نہ اس کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روش کو ظلم قرار دیا ہے، اور ظلم پر گواہ بننا آپ نے پسند نہیں فرمایا، اور اطاعت گزار صحابی نے بھی فوراً اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لے لیا۔ حضرت بشیرؓ سے بھی یہی کوتاہی ہو رہی تھی، وہ عمرہ بنت رواحہ کے بیٹے کو تو عطیہ دے رہے تھے لیکن دوسری بیوی کے بچے کو محروم رکھ رہے تھے۔ لیکن جب ان کو صحیح بات معلوم ہوگئی تو انھوں نے فوراً اپنی روش کی اصلاح کر لی، اور امتیازی سلوک سے باز آ گئے۔

لڑکی اور لڑکے کے ساتھ امتیازی سلوک

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ (ابوداؤد)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے یہاں بچی ہوئی اور اس نے اسے (دور جاہلیت کی طرح) زندہ دفن نہیں کیا، نہ اس کو حقیر سمجھا اور نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، تو ایسے شخص کو اللہ جنت میں داخل فرمائے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں ماں باپ کو جس عمل پر جنت کی بشارت دی ہے اس کے تین اجزاء ہیں:

1- لڑکی کو زندہ دفن نہ کریں اور جینے کا حق دیں۔
2- لڑکی کی توہین و تحقیر نہ کریں۔
3- لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں۔

جہاں تک پہلے جز یعنی لڑکی کو زندہ رہنے کا حق دینے کی بات ہے مسلمان معاشرہ اس

پر کار بند ہے، اور اسلام کی روشنی ملنے کے بعد وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ لڑکی کو زندہ دفن کرے یا کسی اور طریقے سے اسے جینے کے حق سے محروم کرے۔ البتہ لڑکی کو حقیر سمجھنے اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینے کے معاملے میں بعض مسلمان گھرانے بھی فکر و عمل کی بہت سی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں جن کی اصلاح نہایت ضروری ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ یاددہانی اور ترغیب اسی مقصد کے لیے ہے۔

بہت سے گھرانوں میں لڑکوں کو گھر اور خاندان کے اندر جو عظمت و اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ لڑکیوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ لڑکوں، لڑکوں کی بیویوں اور ان کی اولاد کے ساتھ جو اچھا سلوک ہوتا ہے، وہ بیٹیوں، بیٹیوں کے شوہروں اور ان کی اولاد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ دراصل بیٹی اور بیٹے کے ساتھ جو امتیازی سلوک ہوتا ہے اس میں یہ ذہن کام کرتا ہے کہ لڑکی کی پرورش دوسرے کے لیے کی جاتی ہے اور لڑکے کی پرورش اپنے لیے۔ لڑکی سے کسی طرح کی کوئی امید نہیں ہے اور لڑکے سے ہر قسم کی امیدیں وابستہ ہیں۔ لڑکی دوسرے کے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ ہے اور لڑکا اپنے گھر کی رونق اور آبادی کا ذریعہ۔ اس ذہن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے کی پرورش میں جو ولولہ اور دلی جذبات کام کرتے ہیں، لڑکیاں ان سے محروم ہوتی ہیں۔ لڑکی کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں ادائے فرض کا جذبہ تو کام کرتا ہے، لیکن وہ امنگ و ولولہ اور نشاط و حوصلہ نہیں ہوتا جو لڑکے کی پرورش اور اس کے ساتھ سلوک میں کارفرما ہوتا ہے۔

لڑکی گھر میں بھی حقیر سمجھی جاتی ہے اور خاندان میں بھی۔ گھر میں بھی لڑکے کو اس پر ترجیح دی جاتی ہے اور خاندان اور تعارف والوں میں بھی لڑکے کو اس پر فضیلت حاصل رہتی ہے۔ ماں باپ بھی لڑکی کو وہ لباس، وہ زیور اور وہ تحفے نہیں دیتے جو وہ اپنی بہو کو دیتے ہیں، بہو کو جو کچھ دیتے ہیں دلی جذبات کے ساتھ دیتے ہیں کہ وہ انھی کے گھر کی رونق ہے اور بیٹی کو جو کچھ دیتے ہیں وہ محض ادائے فرض یا معاشرے میں اپنا مقام بنائے رکھنے کے لیے دیتے ہیں۔ بہو کو دے کر یاد نہیں رکھتے، لیکن بیٹی کو دے کر اسے یاد رکھتے اور اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسے گھرانوں میں بیٹی کی اولاد کو بھی وہ سرپرستی، وہ شفقت اور وہ پیار نہیں ملتا

جو بیٹے کی اولاد کو ملتا ہے۔ بیٹے کے بچے اپنے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں اور بیٹی کے بچے غیر کے گھر کے بچے سمجھے جاتے ہیں۔خاندان اور تعارف والوں میں بھی بیٹے کی اولاد اپنے گھر کے افراد اور گھر کے بچوں کی طرح سامنے لائے جاتے ہیں اور اسی حیثیت سے خاندان والوں سے ان کے ساتھ سلوک کی توقع کی جاتی ہے، لیکن بیٹی کی اولاد کے ساتھ نہ اپنے سلوک کا یہ انداز ہوتا ہے اور نہ خاندان والوں سے اس حیثیت کے سلوک کی توقع کی جاتی ہے۔ اور خاندان والے بھی ایسے لوگوں کے بیٹوں کی اولاد کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں وہ ان کی بیٹیوں کی اولاد کے ساتھ نہیں کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مسلمان ماں باپ کو خبردار کرتی ہے کہ یہ طرزِ عمل پسندیدہ نہیں۔ خدا کی خوشنودی اور جنت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ماں باپ لڑکی اور لڑکے کو یکساں اہمیت دیں، دونوں کے ساتھ برابری کا سلوک کریں۔لڑکی کو بھی گھر اور خاندان میں عزت وعظمت کا وہی مقام دیں جو وہ لڑکے کو دیتے ہیں، اور کسی معاملے میں بھی لڑکے کو لڑکی پر ترجیح نہ دیں اور ہمیشہ اپنے ذوق اور معاشرے کی روایات اور دستور کے مقابلے میں دین کے تقاضوں کو مقدم رکھیں۔

لڑکی نارِ جہنم سے آڑ

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِيْ شَيْئاً غَيْرَ تَمْرَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَعْطَيْتُهَا اِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَاَنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَاْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا فَاَخْبَرْتُهُ. فَقَالَ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے پاس ایک عورت اپنی دو لڑکیوں کو لیے ہوئے مانگنے کے لیے آئی، اس وقت میرے پاس کچھ نہیں تھا، بس ایک کھجور میں نے اس کے ہاتھ پر رکھ دی، اس نے وہ کھجور اپنی دونوں بیٹیوں کو آدھی آدھی دے دی اور خود ذرا بھی نہ چکھی، پھر اٹھی اور چلی گئی۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر آئے تو میں نے ان کو یہ واقعہ سنایا، آپؐ نے فرمایا جو شخص بھی ان بچیوں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا تو یہ بچیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔''

دنیا میں لڑکی کی ذات سے کسی مادی فائدے کی توقع نہ ہوتو نہ سہی، رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آخرت پر یقین رکھنے والے ماں باپ کے لیے لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کا اس سے بڑا اور قوی محرک اور کیا ہوگا کہ یہی کمزور بچیاں قیامت کے روز اس کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔

رحم دلی اور صلہ

نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا، اس کی گود میں اس کا بچہ تھا، وہ پیار سے اس بچے کو چمٹانے لگا۔ آپؐ نے دیکھا تو پوچھا: کیا تمھیں اس پر رحم آتا ہے، اس نے کہا کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم اس بچے پر جتنا رحم کرتے ہو خدا اس سے کہیں زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ سارے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الادب المفرد)

رسول اکرمؐ کا سلوک اولاد کے ساتھ

نبی ﷺ کی زندگی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو آپؐ کی اولاد اور صحابہ کرامؓ نے یاد نہ رکھا ہو، اور سیرت و آثار کی کتابوں میں وہ محفوظ نہ ہو، یہاں تک کہ آپؐ کے خالص گھریلو اور بالکل ذاتی قسم کے معمولی سے معمولی واقعات کو بھی لوگوں نے یاد رکھا، ایک دوسرے سے بیان کیا اور وہ حدیث وسیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں لیکن یہ سوچ کر آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہے گی کہ نبی ﷺ کی پوری مبارک زندگی میں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ کبھی آپؐ نے اپنے کسی بچے کو مارا ہو، ڈانٹا ہو، سخت سست کہا ہو، یا کوئی سختی کی ہو، محبت، شفقت، مہربانی، نرمی، رحم اور سلوک کے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں ہیں لیکن حیرت ہے کہ اولاد کے ساتھ سختی یا سخت گیری کا کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ہے۔ اولاد سے تو خیر پھر انسان کو غیر معمولی محبت ہوتی ہے اور ان کی بہت سی ایسی باتیں بھی آدمی برداشت کر لیتا ہے جو مزاج کے خلاف ہوتی ہیں، لیکن یہاں تو حال یہ ہے کہ ایک خادم دس سال تک آپؐ کے پاس رہتا ہے اور کبھی ایک بار بھی آپؐ نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اونہہ، یہ کیا کیا؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

''میں دس سال برابر مدینے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا اور اس وقت میں نوعمر لڑکا تھا، اس لیے میرا ہر کام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے مطابق نہ ہوتا تھا، (اور نہ ہوسکتا تھا، دس بارہ سال کے بچے کی بساط ہی کیا ہے) لیکن دس سال کی اس پوری مدت میں کبھی آپ ؐ نے مجھے اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی آپ ؐ نے یہ فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟''

حضرت عائشہ ؓ آپ ؐ کے اچھے سلوک اور برتاؤ کا حال اس طرح بیان فرماتی ہیں:

''آپ ؐ نے کبھی کسی غلام کو، کسی لونڈی کو، کسی عورت کو، کسی جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا اور جب بھی آپ ؐ گھر میں آتے تو نہایت خوش اور ہنستے مسکراتے ہوئے آتے۔

بیٹی سے حُسنِ سلوک

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جو اس کو ناخوش کرے گا وہ مجھے ناخوش کرے گا۔'' (بخاری)

شادی کے بعد جب کبھی حضرت فاطمہ ؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آتیں تو آپ ؐ اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر حضرت فاطمہ ؓ کو بٹھا لیتے۔ (ابوداؤد)

اگر کبھی حضرت فاطمہ ؓ کو رنجیدہ دیکھتے تو خود بھی رنجیدہ ہو جاتے، ایک بار آپ ؐ نہایت غمگین اور ملول حضرت فاطمہ ؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نکلے تو نہایت ہشاش بشاش اور خوش تھے۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا بات تھی جب آپ ؐ بیٹی کے گھر میں داخل ہو رہے تھے تو نہایت رنجیدہ اور غمگین تھے اور جب باہر آئے تو نہایت خوش ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو آدمیوں کی آپس کی رنجش دور کر دی جو مجھے نہایت ہی محبوب ہیں۔ (صحابیات بحوالہ طبقات ابن سعد)

مدینے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوایوب انصاری ؓ کے مکان میں رہ رہے تھے، حضرت فاطمہ ؓ کا مکان آپ کے مکان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے یہاں تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں فرمایا بیٹی تم مجھ سے بہت دور ہو گئیں، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنے قریب کسی مکان میں بلا لوں۔

حضرت فاطمہؓ نے کہا ابا جان! حارثؓ بن نعمان کے کئی مکان ہیں، اگر آپؐ ان سے فرما دیں گے تو وہ اپنا کوئی مکان ضرور دے دیں گے۔ ابا جان! آپؐ ان سے کہہ دیجئے! سرور عالمؐ نے فرمایا، بیٹی مجھے ان سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کسی طرح یہ بات حارثؓ بن نعمان کو معلوم ہوگئی۔ وہ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے سنا ہے کہ آپؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو اپنے قریب کسی مکان میں بلانا چاہتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرے یہ سارے مکانات حاضر ہیں، آپؐ جس میں چاہیں بخوشی ان کو بلا لیجئے۔ خدا کی قسم میری جو چیز بھی آپؐ مجھ سے لے لیں گے، اس کا آپؐ کے پاس رہنا میرے پاس رہنے کے مقابلے میں مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا، خدا تمہیں برکت دے اور تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور پھر اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو آپؐ نے حارثؓ بن نعمان کے ایک مکان میں اپنے سے قریب بلا لیا۔

نبیؐ جب کبھی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور آپ سے مل کر سفر پر روانہ ہوتے۔ اسی طرح جب واپس آتے تو مسجد میں نوافل سے فارغ ہو کر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جاتے۔

نواسوں کے ساتھ بھی نہایت محبت کا سلوک فرماتے، حضرت فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جاتے تو فرماتے، فاطمہ! میرے بچوں کو لانا، فاطمہؓ صاحبزادوں کو آپؐ کے پاس لاتیں تو آپؐ ان کو سونگھتے اور سینے سے چمٹا لیتے۔

نبیؐ کی ایک بیٹی کا نام حضرت زینبؓ تھا۔ آپ سب سے بڑی تھیں۔ آپ کی شادی آپ کے خالہ زاد بھائی ابو العاص سے ہوئی تھی، شادی میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو عقیق یمنی کا ایک قیمتی ہار بھی دیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینے ہجرت فرمائی تو حضرت زینبؓ اپنے سسرال میں تھیں، ان کے شوہر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ کفار کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے

اور گرفتار ہو کر لائے گئے۔ اپنی رہائی کے لیے انھوں نے اپنے گھر کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دو۔ چنانچہ حضرت زینب ؓ نے وہی ہار بھیج دیا جو ان کی ماں نے ان کو جہیز میں دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیٹی کا یہ ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے۔ پھر آپ ؐ نے صحابہ ؓ سے کہا اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب ؓ کو واپس کر دیا جائے اور اس کے شوہر کو بھی رہا کر دیا جائے۔ صحابہ ؓ نے بخوشی منظور کر لیا۔ ابو العاص کو رہا کر دیا گیا اور ان کی بیوی کا ہار بھی ان کے حوالے کیا گیا، لیکن طے یہ ہوا کہ مکے جا کر وہ حضرت زینب ؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں گے۔ چنانچہ حضرت زینب ؓ اپنے والد کے پاس آ گئیں۔

کچھ عرصے کے بعد ابو العاص ؓ بھی مدینے آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابو العاص ؓ کے اسلام لانے کے بعد حضرت زینب ؓ سوا سال تک زندہ رہیں اور پھر 8 ہجری میں دنیا فانی سے رخصت ہو گئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کو قبر میں اتارا، قبر میں اتارتے وقت آپ ؐ نہایت ہی رنجیدہ اور غمگین تھے۔ پھر خدا سے دعا کی کہ پروردگار! یہ بڑی کمزور تھی، پروردگار! تو اس کی مشکلوں کو آسان فرما دے، اور اس کی قبر کو کشادہ فرما دے۔

(صحابیات ؓ بحوالہ اسد الغابہ)

اچھا نام رکھنا

نام سے بھی آدمی کی شان اور شخصیت کا اظہار ہوتا ہے اور نفسیاتی طور پر نام کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ آپ کسی ننھے پیارے اور حسین بچے کو دیکھتی ہیں تو بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن اس بچے سے جب آپ اس کا نام پوچھتی ہیں اور وہ کوئی بے معنی، بے ہنگم اور جدا سا نام بتاتا ہے تو قدرتی طور پر طبیعت بجھ سی جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کاش اس کا نام بھی اسی کی طرح حسین اور پیارا ہوتا۔ دراصل الفاظ کے آہنگ اور مفہوم کا ذہن وفکر اور احساسات وجذبات پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ آپ کسی خاتون کو کسی بھدے اور برے نام سے خطاب کیجئے اور پھر دیکھئے اس خاتون کی ناگواری اور غم وغصے کا کیا حال ہوتا ہے! آپ نے اس کو برے نام سے یاد کر کے اس کے دل میں اپنے لیے برے جذبات ابھار دیئے۔ اس کے برخلاف کسی خاتون کو کسی اچھے نام سے پکاریئے اور پھر دیکھئے جواب میں وہ خاتون کس طرح شکر ومحبت کے جذبات پیش کرتی ہے۔ اپنا اچھا نام سن کر وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ پکارنے والی نے میری عزت کی، اور برا خطاب سن کر یہ محسوس کرتی ہے کہ پکارنے والی نے میری توہین کی، یہ اسی لیے تو ہے کہ الفاظ کے معنی اور مفہوم کا آدمی کے جذبات واحساسات پر اثر پڑتا ہے۔

فطری طور پر ماں باپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کے بچے کو اچھے نام سے پکاریں، جس سے بچہ خوش ہو اور پکارنے والے کے لیے اس کے دل میں اچھے جذبات ابھریں، مگر یہ تب ہی تو ہوگا جب آپ اپنے پیارے بچے کا اچھا سا نام تجویز کریں۔ آپ کے پیارے بچے کا آپ پر یہ حق ہے کہ آپ اس کا اچھا اور پاکیزہ نام رکھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو ہدایت دی ہے کہ اچھے اور پاکیزہ نام رکھو، صحابیؓ اور صحابیاتؓ اپنے بچے کا نام رکھنے کے لیے آپؐ سے درخواست کرتے تو آپؐ نہایت پاکیزہ اور بامقصد نام تجویز فرماتے۔ آپؐ کسی سے نام پوچھتے اور وہ اپنا کوئی بے معنی اور ناپسندیدہ نام بتاتا تو آپؐ ناپسند فرماتے اور اپنا کام اس کے حوالے نہ کرتے، اور جب کوئی اپنا اچھا اور پاکیزہ نام بتاتا تو آپؐ پسند کرتے، اس کے مبارک نام سے مبارک شگون لیتے، اس کے لیے دعائے خیر کرتے اور اپنا کام اس کے حوالے کرتے۔ جب آپؐ اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلتے تو آپؐ نجیح یا راشد [1] جیسے الفاظ سننا بہت پسند فرماتے، جب کسی کو کہیں کا ذمّے دار بنا کر روانہ کرتے تو اس سے نام پوچھتے، جب وہ اپنا نام بتاتا اور آپؐ کو پسند آتا تو بہت خوش ہوتے اور خوشی کے آثار آپؐ کے چہرے سے ظاہر ہوتے۔ جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام معلوم فرماتے، اگر اس بستی کا نام آپؐ کو پسند آتا تو بہت مسرور ہوتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ ناپسندیدہ نام کو بدل دیتے، برا نام آپؐ کسی چیز کے لیے گوارا نہ کر سکتے تھے خواہ وہ کوئی زمین ہو یا گھاٹی، کوئی بستی ہو یا خود انسان، ایک زمین کو لوگ حضرہ (ناہموار بنجر زمین) کہتے تھے، آپؐ نے اس کا نام خضرہ (سرسبز و شاداب) رکھ دیا۔ اسی طرح آپؐ نے بہت سے مردوں اور عورتوں کے نام بھی بدلے اور جو شخص آپؐ کے بدلے ہوئے نام کے بجائے پرانے نام پر اصرار کرتا تو وہ اپنے اس پرانے نام کے برے اثرات اپنی شخصیت پر بھی محسوس کرتا اور اس کی نسل پر بھی اس کے برے اثرات باقی رہتے۔

آپ کے بچے کے لیے پسندیدہ نام

پسندیدہ نام وہ ہیں جن میں ذیل کی چند باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو اور چند باتوں سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہو۔

1- خدا کے ذاتی یا صفاتی نام کے ساتھ عبد یا امتہ کا لفظ ملا کر ترکیب دیا گیا ہو، جیسے عبداللہ، عبدالرحمن، عبدالغفار، امتہ اللہ، امتہ الرحمن وغیرہ یا ایسا نام ہو جس سے خدا

(۱) یا نجیح کے معنی ہیں اے کامیاب ہونے والے، یا راشد کے معنی ہیں اے راہ راست پر چلنے والے۔

کی تعریف کا اظہار ہو۔

-2 کسی پیغمبر کے نام پر ہو، جیسے یعقوب، یوسف، ادریس، احمد، ابراہیم، اسمٰعیل وغیرہ۔

-3 کسی مجاہد، ولی اور خادم دین کے نام پر ہو جس نے دین کے لیے جان و مال کی قربانیاں دی ہوں، جیسے عمر فاروق، خالد، عبدالقادر، ہاجرہ، مریم، ام سلمہ، سمیہ وغیرہ۔

-4 آپ کے دینی جذبات، نیک خواہشات اور پاکیزہ آرزوؤں کا آئینہ دار ہو، مثلاً ملت کی موجودہ پستی دیکھ کر آپ اپنے ننھے کا نام عمر (بن عبدالعزیز) صلاح الدین وغیرہ رکھیں اور یہ تمنا ہو کہ آپ کا ننھا مجاہد ملت کی ہچکولے کھاتی ناؤ کو پار لگائے گا اور دین کو پھر سے زندہ کرے گا۔

-5 کوئی دینی شادکامی پیش نظر رکھ کر تجویز کیا گیا ہو، جیسے قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ آیت سامنے آئی:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ۔ ھود 105:11

''جب وہ دن آئے گا تو کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگی ہاں جو خدا کی اجازت سے کچھ عرض کرے۔ پھر اس روز کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ لوگ خوش نصیب۔''

یعنی قیامت کے روز سارے انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے، ایک گروہ بدنصیب ہوگا اور ایک گروہ خوش نصیب۔

یہ آیت پڑھ کر آپ کے دل سے بے اختیار دعا نکلی کہ پروردگار مجھے اور میری اولاد کو اس سعید گروہ میں شامل فرما، اور پھر آپؐ نے اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام سعید رکھا۔

دراصل آپ اپنی خواہشات، جذبات، آرزوؤں اور تمناؤں کے مطابق ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر نام تجویز کرتی ہیں، اور انھی خواہشات اور تمناؤں کے ساتھ بچہ پروان چڑھتا ہے اور قدرتی طور پر عام حالات میں وہ آپ کے خوابوں کی تعبیر ہی ثابت ہوتا ہے۔

-6 زیر تجویز نام کا مفہوم نہایت پاکیزہ اور ذہن واحساس پر نہایت خوشگوار اور دینی

لحاظ سے مطلوب اثر ڈالنے والا ہو۔

یہ تو وہ باتیں تھیں جن کو نام تجویز کرتے وقت پیش نظر رکھنے اور زیر غور نام میں ان کا لحاظ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ کچھ باتیں وہ ہیں جن سے نام تجویز کرتے وقت بچنے کی تاکید کی گئی ہے:

1- کوئی ایسا فکر و احساس جو اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ہو یا بالخصوص وہ نام جس سے عقیدۂ توحید مجروح ہوتا ہو، جیسے نبی بخش، عبدالرسول وغیرہ۔

2- کوئی ایسا لفظ جس سے فخر و غرور، یا اپنی پاکبازی اور بڑائی کا اظہار ہوتا ہو۔

3- ایسا نام جو غیر اسلامی خواہشات اور آرزوؤں کا آئینہ دار ہو، اور خدا کی رحمت سے دوری ظاہر کرنے والا ہو۔

4- ایسا نام ہو جس سے اپنی ذات کے ساتھ کسی گناہ، برائی یا بدشگونی کی نسبت ہو، جیسے عاصیہ، حارقہ، حرب، شہاب وغیرہ۔

5- ایسا لفظ نہ ہو جس سے تحقیر و تذلیل یا تمسخر کا پہلو نکلتا ہو۔ ملک الاملاک، بادشاہوں کے بادشاہ، شہنشاہ جیسے نام بھی بدترین ناموں میں شمار کیے گئے ہیں۔

اچھا نام رکھنے کی ہدایت و حکمت

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ، وَ اَسْمَاءِ اٰبَاءِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَكُمْ (ابوداؤد)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ قیامت کے روز اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا اچھے نام رکھا کرو۔''

اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام

عَنْ اَبِيْ وَهَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تَسَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَبْدُ اللهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ (ابوداؤد، نسائی)

''حضرت ابو وہب، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''نبیوں کے نام پر نام

رکھو۔ اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں، پیارے نام حارث و ہمام ہیں، اور نہایت ناپسندیدہ نام حرب اور مرہ ہیں۔''

لفظ ''اللہ'' خدا کا ذاتی نام ہے، رحمٰن اسلام میں خدا کا ذاتی نام نہیں ہے، البتہ اسلام سے پہلے بعض قوموں میں یہ خدا کا ذاتی نام تھا، اس لیے اس کی بھی دوسری صفات کے مقابلے میں اہمیت ہے۔ حدیث میں صرف ان دو ناموں کے ذکر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہی دو نام رکھے جاسکتے ہیں اور صرف یہی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں بلکہ یہ بطور مثال کے بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ کی کسی صفت کے ساتھ بھی عبد کا لفظ لگا کر نام رکھا جائے تو وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ نام ہے۔ ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف انھی دو ناموں کا ذکر اس لیے بھی کیا ہو کہ قرآن میں عبد کی اضافت کے ساتھ انھی دو ناموں کا ذکر آیا ہے۔ (۱)

حارث اس شخص کو کہتے ہیں جو کھیتی باڑی کرنے اور کمانے میں لگا ہوا ہو، اگر وہ حلال ذرائع سے دنیا کما رہا ہے تب بھی بہتر ہے اور اگر آخرت کمانے میں لگا ہوا ہے تو ظاہر ہے اس سے بہتر اور کون ہوگا!

ہمام، پختہ ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں، جو ایک کام کے بعد دوسرے کام میں لگ جاتا ہو۔

حرب: جنگ کو کہتے ہیں، اور ظاہر ہے جنگ کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔

مرۃ: کڑوی چیز کو کہتے ہیں اور کڑوی چیز بہر حال ناپسندیدہ ہے۔

اچھے نام سے نیک شگون

حضرت یحییٰ ابن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اونٹنی دوہنے کے لیے لوگوں سے پوچھا:

مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهٖ؟ فَقَالَ رَجُلٌ فَقَامَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: مُرَّةٌ. فَقَالَ لَهٗ: اِجْلِسْ ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهٖ؟ فَقَامَ رَجُلٌ. فَقَالَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: حَرْبٌ. فَقَالَ لَهٗ اِجْلِسْ ثُمَّ قَالَ مَنْ يَحْلُبُ هٰذِهٖ؟ فَقَامَ

(۱) سورہ مریم میں ہے قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اور سورہ الفرقان میں ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ

رَجُلٌ، فَقَالَ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ يَعِيْش؟ فَقَالَ لَهُ اُحْلُبْ۔

(مؤطاامام مالک)

''اس اونٹنی کوکون دوہے گا؟ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا، آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟اس نے کہامیرا نام مرہ ہے۔آپؐ نے فرمایا بیٹھو۔ پھرآپؐ نے پوچھااس اونٹنی کوکون دوہے گا؟ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔آپؐ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟اس نے کہامیرا نام ''حرب'' ہے۔آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ، پھرآپؐ نے پوچھااس اونٹنی کوکون دوہے گا؟ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟اس نے کہامیرا نام یعیش ہے۔آپؐ نے فرمایااچھادوہ لو۔''

پہلے دوناموں کا مفہوم ناپسندیدہ ہےاورآخری نام کا مفہوم پسندیدہ ہے۔یعیش میں زندہ رہنے کامفہوم ہے۔

اسی طرح ایک حدیث امام بخاریؒ نے بھی نقل کی ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا:''ہمارے اس اونٹ کوکون ہانک کرلے جائے گا؟'' یا یہ فرمایا کہ''کون اس کو پہنچائے گا؟'' ایک آدمی نے کہا:''میں،'' آپؐ نے اس سے پوچھا:''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا''میرا نام یہ ہے''[یعنی کوئی نام بتایا جوآپ کو پسند نہ تھا، اوراسی طرح دوسرے شخص کا نام بھی آپؐ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا] آپؐ نے فرمایا،''بیٹھ جاؤ۔'' پھردوسراشخص اسی مقصد سے کھڑا ہوا۔آپؐ نے اس سے بھی پوچھا''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے بھی بتایا، میرا نام یہ ہے۔'' توآپؐ نے فرمایا''بیٹھ جاؤ۔'' پھرتیسراشخص کھڑا ہوا، اس سے بھی آپؐ نے پوچھا''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے بتایا''میرا نام ناجیہ ہے۔'' توآپؐ نے فرمایا، تم اس کام کے لیے موزوں ہو، ہانک لے جاؤ۔''

حضرت عمرؓ کاایک لطیفہ

حضرت عمرؓ نے ایک آدمی سے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟اس نے کہا''انگارہ''۔آپؐ نے پوچھا: باپ کا نام کیا ہے؟اس نے بتایا''شعلہ''۔آپ نے پوچھا کس قبیلے سے ہو؟ کہا''جلن'' سے۔آپؐ نے پوچھا تمہارا مکان کہاں ہے؟ کہا''آگ کے گرم ٹیلے پر۔'' آپ نے پوچھا آگ کے کون سے ٹیلے پر؟ بولا بھڑکنے والے ٹیلے پر۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا، جلدی جاؤ، گھرکی خبرلو، وہ سب جل چکے ہیں۔ ویسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ (جمع الفوائد)

نام کا احترام

حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمَّیْتُمْ مُحَمَّدًا فَلَا تَضْرِبُوْهُ وَلَا تَحْرِمُوْهُ (جمع الفوائد)

''جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو اس کو نہ مارو اور نہ محروم کرو۔''

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تُسَمُّوْنَهُمْ مُحَمَّدًا ثُمَّ تَلْعَنُوْنَهُمْ۔

''تم بچوں کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور پھر ان کو لعنت ملامت بھی کرتے ہو۔''

یعنی اس نام کے احترام میں بچوں کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کرو۔ یوں بھی بچے کے ساتھ بدسلوکی ناپسندیدہ ہے، اور اگر بچے کا نام محمد ہو تو پھر اور لحاظ رکھنا چاہیے اس لیے کہ اس نام کا احترام بھی ضروری ہے۔

نبی اکرمؐ کے تجویز کیے ہوئے چند نام

1- حضرت عبداللہ بن سلام کے بیٹے حضرت یوسف کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا، اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ (الادب المفرد)

2- حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں، میرا پہلا بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپؐ نے اس کا نام ابراہیم رکھا۔ اس کے تالو میں کھجور چبا کر رکھی اور خیر و برکت کی دعا دے کر میرے حوالے کیا۔ (الادب المفرد)

3- حضرت علیؓ نے بھی اپنے تین بیٹوں کا نام حرب رکھا تھا، آپؐ نے ان کے نام تبدیل فرما کر حسن، حسین اور محسن رکھے۔

نام کی تبدیلی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام کا بڑا خیال رکھتے، جب کسی کا کوئی ایسا نام آپؐ کے سامنے آتا جو کسی بھی پہلو سے برا ہوتا تو آپؐ اس نام کو بدل دیتے اور کوئی دوسرا اچھا سا نام تجویز فرما دیتے۔ آپؐ نے بہت سے مردوں اور عورتوں کے نام بدل کر دوسرے اچھے نام تجویز فرمائے۔ اگر

کسی نام میں عقیدۂ توحید کے خلاف کوئی مفہوم ہوتا، یا وہ بے معنی ہوتا یا وہ کسی ناپسندیدہ اور بری چیز کا نام ہوتا یا اس میں کوئی ناپسندیدہ مفہوم ہوتا یا اس کے ذریعے اپنی ذات کی طرف کسی گناہ کی نسبت ہوتی یا اس میں اپنی بڑائی اور پاکبازی کا اظہار ہوتا یا اور کوئی برا پہلو ہوتا تو آپؐ اس نام کو بدل دیتے اور اس کے بدلے کوئی اچھا اور پاکیزہ نام تجویز فرما دیتے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے۔

(جامع ترمذی)

(1) ہانی ابن زید اپنے ایک وفد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے سنا کہ ان کی کنیت ابوالحکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا ''حکم تو خدا ہے، اور حکم دینا اس کا حق ہے۔ تم نے حکم کنیت کیوں کر رکھی؟'' ابن زید نے کہا: ''یہ بات نہیں ہے (کہ میں خدا کے اس حق میں شریک ہونا چاہتا ہوں) دراصل میری قوم کے لوگوں میں جب کسی بات پر آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے تو وہ میرے پاس آ جاتے ہیں، میں ان کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیتا ہوں، اور دونوں فریق اس فیصلے کو بخوشی مان لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتنا اچھا نکتہ بیان کیا تم نے! پھر آپؐ نے پوچھا: کیا تمہارا کوئی بچہ نہیں ہے؟ ابن زید نے کہا میرے تین بچے ہیں، شریح، عبداللہ اور مسلم۔ آپؐ نے پوچھا ان سب میں بڑا کون ہے؟ ابن زید نے کہا: ''شریح'' سب سے بڑا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا پھر تمہاری کنیت ''ابوشریح'' ہے اور ان کے اور ان کے بچے کے حق میں دعا فرمائی۔ نیز آپؐ نے سنا کہ اس وفد کے ایک آدمی کو لوگ عبدالحجر کے نام سے یاد کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ''عبدالحجر'' آپؐ نے فرمایا نہیں تمہارا نام عبداللہ ہے۔''

شریح کہتے ہیں جب ہانی ابن یزید اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا یا رسولؐ اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ کون سا کام کرنے سے مجھے یقینی طور پر جنت مل جائے گی۔ آپؐ نے فرمایا تم دو باتوں کا اہتمام کرو، لوگوں سے اچھی

طرح بات کرو اور خوب کھانا تقسیم کرو۔ (الادب الفرد)

(2) حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھ سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے کہا میرا نام ''عبدالعزّی ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں تمہارا نام عبدالرحمن ہے'' اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے کہا ''میرا نام عزیز ہے'' تو آپؐ نے فرمایا ''عزیز تو اللہ ہے۔'' (جمع الفوائد)

(3) حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبیؐ نے عاصیہ کا نام بدل کر فرمایا، تم جمیلہ ہو۔ (الادب المفرد)

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی بیٹی کا نام عاصیہ تھا اور آپؐ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔

(4) حضرت محمدؒ بن عمرو کا بیان ہے کہ وہ ایک دن ابوسلمہ کی لڑکی زینبؓ[1] کے یہاں گئے تو زینب نے میری بہن کا نام پوچھا جو میرے ساتھ تھی، تو میں نے ان کو بتایا کہ اس کا نام برہ ہے۔ وہ بولیں اس کا نام بدل دو، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی جب زینب بنت جحش سے ہوئی تو ان کا نام بھی برہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ اور اب ام سلمہؓ کی شادی ہوئی اور ان کے پاس آپؐ پہنچے تو آپؐ نے سنا کہ میری ماں مجھ کو برہ، برہ کہہ کر بلا رہی ہیں، تو آپؐ نے فرمایا اپنی پاکبازی مت جتاؤ۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکوکار ہے اور کون بدکار اور فرمایا اس کا نام زینب رکھو، میری والدہ ام سلمہ نے کہا، اچھا تو یہ زینب ہے۔

یہ سن کر میں نے زینب سے کہا، پھر اس کا نام تجویز کیجیے، کہنے لگیں وہی بدل کر رکھ دو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا تھا، تو محمد بن عمرو نے اس کا نام زینب رکھ دیا۔

(5) حضرت رائطہ بنت مسلم کہتی ہیں کہ میرے والد مسلم نے مجھ سے کہا، میں جنگ حنین میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود تھا تو آپؐ نے مجھ سے پوچھا: ''تمہارا نام کیا

---

(۱) یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ام سلمہؓ کی لڑکی تھیں جو پہلے شوہر ابوسلمہ سے تھیں۔

ہے؟'' میں نے کہا، ''میرا نام غراب (کوا) ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں تمہارا نام مسلم ہے۔'' (الادب المفرد)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ذکر کیا کہ اس کو شہاب (شعلہ) کہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم ہشام ہو۔ (الادب المفرد)

(6) عبدالرحمٰن بن سعید مخزومی کے بیٹے کا نام اسلام سے قبل ''الصرام(۱)'' تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر ''سعید'' رکھ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعید سے پوچھا ''ہم دونوں میں سے کون بڑا ہے، میں یا تم؟'' حضرت سعیدؓ نے کہا ''آپ مجھ سے بڑے ہیں اور میں آپ سے عمر میں پہلے ہوں۔''

ان کی جب آنکھیں جاتی رہیں تو حضرت عمرؓ عیادت کے لیے پہنچے اور ان سے کہا، آپ نماز جمعہ اور جماعت کی نماز میں ضرور شرکت فرمایا کریں۔ بولے میرے پاس پہنچانے والا کون ہے؟ تو حضرت عمرؓ نے ایک غلام کو ان کی رہبری اور خدمت کے لیے بھیج دیا۔

(7) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے بچے کا نام حباب نہ رکھا کرو۔ اس لیے کہ حباب شیطان ہے، بچہ حباب نہیں ہے بلکہ عبدالرحمن ہے۔ (جمع الفوائد)

حباب سانپ کو کہتے ہیں، اور ام حباب دنیا کو کہتے ہیں، اسی لیے آپؐ نے حباب نام رکھنے سے منع فرمایا۔

برے نام کے برے اثرات

مدینے کے مشہور تابعی محدث حضرت سعید بن مسیّب اپنے دادا حزن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' انھوں نے بتایا ''میرا نام حزن ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں تمہارا نام حزن نہیں بلکہ سہل ہے۔''

حزن بولے میں تو اپنے باپ کا رکھا ہوا نام بدل کر دوسرا نام نہیں رکھوں گا۔

سعید ابن مسیّب کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے خاندان میں اس کے بعد سے اب

(۱) الصرام کے معنی ہیں کاٹنا، صریم کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں، اور سعید کے معنی ہیں، خوش نصیب۔

تک حزونت برابر چلی آرہی ہے۔

حزن: سخت اور ناہموار زمین کو کہتے ہیں اور سہل نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں، اور حزونت زمین کی سختی اور ناہمواری کو کہتے ہیں، اور اس سے مراد سخت مزاجی اور سنگدلی ہے۔ ماہرین نسب کا بیان ہے کہ حزن کی اولاد میں ایسی بداخلاقی اور بدمزاجی تھی کہ کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔

اللہ کے نزدیک بدترین نام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَی الْاِسْمَاءِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تُسَمّٰی مَلِكُ الْاَمْلَاكِ (الادب المفرد)

''حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے، کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انتہائی بدتر اور گستاخانہ نام اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی شخص کو ملک الاملاک کے نام سے یاد کیا جائے۔''

ملک الاملاک کے معنی ہیں بادشاہوں کا بادشاہ۔ فارسی میں اس کا ترجمہ شاہنشاہ کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ یہ نام اپنے مفہوم کے اعتبار سے بدترین نام ہے اس لیے کہ اس میں شرک کا مفہوم ہے۔ اقتدار اور بادشاہت تنہا خدا کا حق ہے اور اس حق میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں اور صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں لَا مُلْكُ اِلَّا لِلهِ۔ باشاہت واقتدار تو صرف خدا کے لیے ہے۔

مخاطب کو اس کے پسندیدہ نام سے پکارنا

کسی کا نام لے کر جب آپ کسی کو پکارتی ہیں تو اس کا پسندیدہ نام لے کر بھی پکار سکتی ہیں اور ناپسندیدہ نام لے کر بھی، لہٰذا ہمیشہ دوسرے کو اسی نام سے پکاریے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہو، اس طرح مخاطب اپنی عزت افزائی محسوس کرے گا، خوش ہوگا اور اس کے دل میں آپ کے لیے اچھے جذبات پیدا ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بہت پسند فرماتے تھے کہ ہر شخص کو اسی نام اور کنیت سے بلایا جائے جو اس کو سب سے زیادہ پسند ہو۔
(الادب المفرد)

حضرت علیؓ کا محبوب ترین نام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے داماد حضرت علیؓ کے یہاں پہنچے، گھر میں فاطمہؓ تنہا

تھیں اور علیؓ نہیں تھے، بیٹی سے پوچھا: کہاں ہیں تمہارے چچا کے بیٹے؟'' بیٹی نے کہا ''میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری ہوگئی، وہ مجھ پر بگڑ گئے اور خفا ہو کر کہیں چلے گئے۔ یہاں انھوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا: ''ذرا دیکھ کے تو آؤ علیؓ کہاں ہیں؟'' اس آدمی نے بتایا: ''وہ مسجد کی دیوار سے لگے سورہے ہیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے نکلے، دیکھا کہ وہ چت لیٹے ہوئے ہیں، چادر بھی کچھ سرک کر گر گئی ہے اور جسم پر مٹی لگ گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑتے جارہے تھے اور کہہ رہے تھے ''اٹھ بیٹھو ابوتراب، اٹھ بیٹھو ابوتراب!''

پیار میں مختصر نام لینا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات پیار میں پورا نام لینے کے بجائے مختصر نام بھی لیتے جیسے عائشہؓ کے بجائے عائش اور عثمان کے بجائے عثم۔

شفقت و محبت کے اظہار کے لیے قدرتی طور پر آپ بھی بعض اوقات ایسا کرتی ہیں، اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ عمل نام بگاڑنے کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ محبت کے جذبات کی تسکین اور اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ حضرت ابوسلمہؓ کا بیان ہے:

اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَا عَائِشُ! هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُ عَلَيْكِ السَّلَامُ، قَالَتْ: وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللهِ قَالَتْ وَ هُوَ يَرٰى مَالَا اَرٰی۔

''حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائش! یہ جبریل ہیں، تمہیں سلام کہہ رہے ہیں'' تو عائشہؓ نے کہا ''ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت'' اور کہا ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کچھ دیکھ رہے تھے جو میں نہیں دیکھ رہی تھی۔ (الادب المفرد)

اگر کبھی کسی کا نام یاد نہ رہے اور اس کو بلانا ہو تو اس کو بھی کسی بھدے اور برے نام سے مخاطب نہ کیجیے، کوئی اچھا سا لفظ کہہ کر اپنی طرف مخاطب کیجیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کسی کا نام یاد نہیں رہتا تھا تو آپؐ فرماتے اے عبداللہ کے بیٹے!

اولاد سے پیار ومحبت

اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ آپ اس سے پیار ومحبت کریں۔ اولاد سے پیار ومحبت ایک فطری جذبہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ماں اور ہر باپ کے دل میں پیدا فرمایا ہے۔ ماں باپ پر بھی زبردست احسان کیا ہے اور اولاد پر بھی۔ اولاد پر احسان اس لیے کہ اس کے بغیر اولاد کی پرورش مشکل ہی نہیں بلکہ بڑی حد تک ناممکن تھی، انسان کا بچہ دوسرے تمام جانداروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ بے بس، مجبور، عاجز اور مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر والدین کے دلوں میں اس کے لیے پیار ومحبت کا زبردست جذبہ نہ ہوتا تو اس کی پرورش ہی نہ ہو پاتی۔ والدین کی بے مثال شفقت ومحبت اور غیر معمولی ایثار وقربانی ہی کی بدولت وہ پل بڑھ کر کسی لائق بنتا ہے۔

اور ماں باپ پر احسان اس لیے ہے کہ خدا نے ان پر پرورش اولاد کی جو عظیم ذمّے داری ڈالی ہے، اس کا حق یہ ہرگز ادا نہ کر سکتے اگر ان کے دل میں اولاد کی محبت کا زبردست جذبہ نہ ہوتا۔

اولاد سے محبت خدا کی رحمت وحکمت کی زبردست نشانی اور اس کے رب ہونے کی واضح دلیل ہے۔ یہ جذبہ خدا نے کسی امتیاز کے بغیر ہر انسان کے دل میں پیدا فرمایا ہے، انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں کو بھی خدا نے یہ جذبہ عطا فرمایا ہے اور وہ بھی طبعی طور پر اپنی نسل سے محبت کرتے ہیں۔

مسلمان ماں کی محبت کا امتیاز

اولاد سے محبت ایک عام جذبہ ہے، اس لیے ہر ماں ہر باپ اپنی اولاد کو بے اختیار چاہتا اور پیار کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی عقیدے اور مسلک کو مانتا ہو یا سرے سے دین اور خدا

کا قائل ہی نہ ہو، لیکن اس معاملے میں بھی مسلمان ماں باپ کو امتیاز حاصل ہے اور یہ شان اسلام سے محروم والدین کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اولاد کو پیار کر کے ایک غیر مسلم ماں بھی اپنے فطری جذبے کو تسکین بخشتی ہے اور ایک مسلمان ماں بھی۔ لیکن مسلمان ماں کی شان امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد سے اس شعور کے ساتھ محبت کرتی ہے کہ یہ اس کی اولاد کا اس پر حق ہے، اس کے دین کا تقاضا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنت ہے۔ اولاد کو پیار کرنا صرف طبعی جذبے کی تسکین کا سامان ہی نہیں ہے، بلکہ خدا اور رسولؐ کو خوش کرنے، اجر آخرت پانے اور اپنی عاقبت بنانے کا بھی ذریعہ ہے۔ اس شعور کی بدولت مسلمان ماں کی مامتا میں زبردست جوش وخروش اور غیر معمولی زور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ شعوری محبت اس محبت سے بہت زیادہ مختلف ہوتی ہے، جس کا محرک محض طبعی جذبہ ہوتا ہے۔ دینی شعور کے ساتھ اولاد سے محبت کرنے والی ماں کی محبت اندھی محبت نہیں ہوتی، وہ دین کی ہدایت کے مطابق اپنے بچوں سے محبت کرتی ہے اور کبھی جذبات سے مجبور ہو کر ایسی روش اختیار نہیں کرتی جو اس کی یا اس کی اولاد کے لیے تباہی اور بربادی کی باعث ہو۔

اولاد ذریعۂ آزمائش

اولاد کی محبت اولاد کا حق بھی ہے اور ماں باپ کے لیے ذریعۂ آزمائش بھی۔ خدا نے اولاد کی محبت کا فطری جذبہ دے کر اس جذبے کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی فرمائی ہے کہ اولاد سے ہوشیار رہو۔ اس لیے کہ بعض اوقات یہی اولاد آدمی کی دشمن بن جاتی ہے۔ ان کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر آدمی توازن اور اعتدال کھو بیٹھتا ہے اور دین سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ ان کی خاطر وہ دوسروں کے حق مارتا ہے۔ حلال وحرام کی تمیز کھو دیتا ہے۔ خدا کی عبادت و اطاعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایمان و اسلام کے تقاضوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے، نیکی کے بڑے بڑے کاموں سے رک جاتا ہے اور غلط راہوں پر پڑ کر اپنی عاقبت تباہ کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے خدا نے فرمایا ہے کہ بچوں سے ہوشیار رہو۔ بعض بچے اس پہلو سے انسان کے لیے دشمن ثابت ہوتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ التغابن 14:64

''مومنو! تمہاری بیویوں اور بچوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، لہٰذا ان سے احتیاط کرتے رہو۔''

اولاد سے احتیاط برتنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی ان کی محبت میں ایسا گرفتار نہ ہو کہ وہ دین و ایمان کے تقاضوں سے غافل ہو جائے۔ اولاد کی محبت اگر دین کی راہ میں آگے بڑھنے اور دین کی خاطر قربانیاں دینے سے روکنے لگے، تو یہ دشمنی ہے، اس لیے آدمی کو چوکنا رہنا چاہیے کہ کسی وقت بھی ان کی محبت دین کی محبت پر غالب نہ ہونے پائے اور ان کی خاطر آدمی دینی امور میں پیچھے نہ رہ جائے۔ ہجرت سے پہلے کچھ لوگ مکہ مکرمہ میں ایمان لے آئے تھے لیکن اسلام لانے کے باوجود وہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے ساتھ مدینے کو ہجرت نہ کر سکے اور مومن ہوتے ہوئے ہجرت کی سعادت سے محض اس لیے محروم رہے کہ وہ بیوی بچوں کی بے جا محبت میں پھنس گئے اور ان کی محبت نے انھیں مدینے جانے سے باز رکھا۔ یہ مسلمان ہجرت جیسی سعادت سے اس لیے محروم رہ گئے کہ یہ اولاد کی محبت میں محتاط نہیں رہے اور اولاد کی محبت میں ایسے الجھے کہ دین کی پکار سے غافل ہو گئے۔ قرآن نے اسی معنی میں اولاد کو فتنہ اور آزمائش بھی کہا ہے۔ ایک طرف ان کی فطری محبت کا زوردار جذبہ ہے، دوسری طرف دین و ایمان کے تقاضے ہیں، ان کی محبت بھی مطلوب ہے، ان کے حقوق ادا کرنے کی بھی تاکید ہے۔ اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی ہے کہ اولاد ذریعۂ آزمائش ہے، اس لیے ان کی محبت میں ایسے مگن نہ ہو جانا کہ دین و ایمان کے تقاضوں کو بھول جاؤ۔

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ التغابن 15:64

''واقعہ یہی ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ۝٩ المنافقون 9:63

''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں خدا کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں وہ زبردست گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔''

یہ سورۃ منافقوں کی آیت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ منافقین مال اور اولاد کی محبت میں پھنس کر ہی دین کے مطالبات سے غافل ہو گئے اور دنیا کی خاطر آخرت کو بھلا بیٹھے، اور یہی زبردست گھاٹا ہے کہ آدمی فنا ہونے والی دنیا کے لیے ہمیشہ رہنے والی زندگی کی نعمتوں سے محروم ہو جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس معاملے میں ہوشیار رہنا چاہیے۔

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سرخ رنگ کی قمیصیں پہنے ہوئے مسجد میں آ نکلے۔ چھوٹے بچے تھے، اس لیے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گرتے پڑتے آ رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضبط نہ ہو سکا، منبر سے نیچے اترے، نواسوں کو گود میں اٹھایا اور اپنے قریب لا کر بٹھایا۔ پھر فرمایا سچ فرمایا ہے: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن 15:64) (حقیقت یہ ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں۔)

حضرت خولہ بنت حکیمؓ ایک بہت ہی نیک خاتون تھیں، ان کا بیان ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے، آپؐ اپنے کسی نواسے کو گود میں لیے ہوئے تھے اور اس سے یہ کہہ رہے تھے: ”تم ہی آدمی کو بخیل بنا دیتے ہو، تم ہی آدمی کو بزدل بنا دیتے ہو، اور تم ہی آدمی کو جہالت اور نادانی میں مبتلا کر دیتے ہو۔“ (جامع ترمذی ابواب البر والصلہ)

یہ حقیقت ہے کہ اولاد کی وجہ سے آدمی میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں، انھی کی خاطر اس کی جرأت اور شجاعت ختم ہو جاتی اور وہ بزدل بن جاتا ہے، بہت سے معاملات میں پیش قدمی کرنے سے اس لیے ہچکچاتا ہے کہ خدانخواستہ نتیجہ غلط نکلا تو اولاد کا کیا ہوگا۔ ان کی ضرورتوں کا خیال کرتا ہے، تو روک روک کر خرچ کرتا ہے اور انھی کی خاطر جذبات کی رو میں بعض اوقات بڑے بڑے نادانی اور جہالت کے کام کر بیٹھتا ہے۔

اسلام اولاد کی محبت کے جذبے کو نہ تو حقارت سے دیکھتا ہے نہ اس سے روکتا ہے بلکہ اس کو محبوب اور مطلوب قرار دے کر اس کی ترغیب دیتا ہے۔ البتہ وہ یہ تاکید ضرور کرتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں سے دین کی روشنی میں محبت کرے، اور اس معاملے میں دین کی ہدایات کو لازماً پیش نظر رکھے اور کوئی ایسی روش ہرگز اختیار نہ کرے جو خدا کو ناپسند ہو۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَکَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَہٗ وَ شَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذَالِکَ وَاِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَ اَنْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ یَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّھَا رَحْمَۃٌ ثُمَّ اَتْبَعَھَا بِاُخْرٰی فَقَالَ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (متفق علیہ)

”حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے یہاں پہنچے۔ ابوسیف (نبیؐ کے بیٹے) حضرت ابراہیم کی رضائی ماں کے شوہر تھے۔ نبی ﷺ نے اپنے بیٹے کو گود میں لیا، ان کو پیار کیا، اور ان کو سونگھا (یعنی ان کے چہرے پر اپنی ناک اور منہ اس طرح رکھا گویا سونگھ رہے ہوں) پھر جب اس کے بعد ہم وہاں گئے تو حضرت ابراہیم کی سانس اکھڑ چکی تھی اور نبی ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر عبدالرحمن بن عوفؓ نے نبی ﷺ سے کہا آپ بھی رو رہے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ نے فرمایا اے ابن عوف یہ آنسو رحمت کی نشانی ہیں۔ اور آپؐ کے آنسو پھر رواں ہو گئے۔ اور آپؐ نے فرمایا آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل دکھتا ہے اور ہم زبان سے صرف وہی کہتے ہیں جن کو ہمارا پروردگار پسند کرتا ہے اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بڑے غمزدہ ہیں۔“

اولاد سے بے مہری

بعض لوگ اولاد کے ساتھ ہنسنے کھیلنے، ان کے ساتھ مشغول رہنے، ان کو گود میں لے کر کھلانے اور ان کو چومنے اور پیار کرنے کو دینداری کے خلاف سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک دینداری اور سنجیدگی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اولاد کے ساتھ ہنسنے بولنے سے پرہیز کرے، اولاد سے الگ تھلگ رہے، ان کے ساتھ گھلنے ملنے کے بجائے بے تعلقی برتے اور اظہار محبت کے بجائے کسی قدر سرد مہری اور رُوکھے پن کا مظاہرہ کرے، اسلام اس طرز فکر کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ یہ دین کی سُوجھ بُوجھ اور صحیح فہم سے محرومی کا نتیجہ ہے، اس کے برخلاف نبی ﷺ کی ہدایت اور خود آپؐ کے عمل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اولاد سے پیار و محبت ایک پسندیدہ عمل ہے، اور اس شخص کا دل رحم اور مہربانی سے قطعاً خالی ہے جو اپنی

اولاد سے محبت نہیں کرتا۔ اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان سے پیار و محبت آخرت کی کامرانی کا ذریعہ اور اس سے محرومی خدا کی رحمت سے محرومی ہے۔

اولاد کو چومنا خدا کی رحمت کا سبب ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ جَالِسٌ فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِیْ عَشْرَةً مِّنَ الْوَالِدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔ (بخاری)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے (اپنے نواسے) حضرت حسن ابن علیؓ کو چوما اور پیار کیا، اس موقع پر اقروع بن حابس بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے میرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے تو کبھی کسی ایک بچے کا بھی پیار نہیں لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا، جو رحم نہیں کرتا اس پر خدا بھی رحم نہیں کرتا۔''

یعنی اپنی اولاد کو چومنا اور پیار کرنا رحم اور مہربانی کی علامت ہے۔ وہی لوگ اپنی اولاد کو چومتے اور پیار کرتے ہیں جن کے دلوں میں خدا نے رحم ڈالا ہے، اور خدا تعالیٰ انھی لوگوں پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے وہ خود بھی رحم سے محروم رہتے ہیں۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اِنَّ ابْنًا لِیْ قُبِضَ فَاْتِنَا فَاَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ (متفق علیہ)

''حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی زینبؓ نے آپؐ کو بلوانے کے لیے قاصد بھیجا اور کہلوایا کہ: ''میرے بچے کا آخری وقت ہے، آپؐ ذرا دیر کے لیے تشریف

لے آئیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام لانے والے سے کہلوایا: ''جا کر ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ کہتے ہیں خدا ہی کا ہے جو اس نے لے لیا، اور خدا ہی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا۔ اور ہر چیز کا اس کے یہاں وقت مقرر ہے پس تم صبر کرو اور اس سے اجر و ثواب کی امید رکھو۔'' حضرت زینبؓ نے پھر بلوایا اور قسم دی کہ ''آپؐ ضرور تشریف لائیں۔'' چنانچہ آپؐ بیٹی کے یہاں جانے کے لیے اٹھے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہؓ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ (حضرت زینبؓ کے گھر پہنچے) تو بچے کو آپؐ کی گود میں دیا گیا۔ اس وقت بچے کی جان کنی ہو رہی تھی۔ (یہ منظر دیکھ کر بے اختیار) آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

سعدؓ بولے یا رسولؐ اللہ یہ کیا! (آپؐ بھی رو رہے ہیں!) آپؐ نے فرمایا، یہ رحم ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمایا ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔''

اولاد کو پیار نہ کرنا بے رحمی ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصُّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ۔

(متفق علیہ)

''حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، ایک بدو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا کیا تم لوگ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہو، ہم تو بچوں کو نہیں چومتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا میرے قبضے کی کیا بات ہے۔ اگر خدا نے تمہارے دل سے رحم کا مادہ نکال دیا ہے۔''

بچوں کو نہ چومنا اور پیار نہ کرنا بھلائی کی بات نہیں بلکہ بے رحمی کی علامت ہے۔ بچوں کو پیار نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ خدا نے دل سے رحم کا مادہ نکال لیا ہے۔ رحم کا مادہ ہو تو آدمی ضرور اپنے بچوں کو پیار کرے گا۔

بچوں کو گود میں لینا

عَنْ عَدِیِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ یَقُوْلُ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَالْحَسَنُ صَلَوٰتُ اللهِ عَلَیْهِ عَلٰی عَاتِقِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ۔ (سیرت النبیؐ: ج دوم)

''حضرت عدیؓ بن ثابت کہتے ہیں میں نے حضرت براءؓ سے سنا ہے، وہ کہتے تھے، ''میں نے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسنؓ آپؐ کی گردن پر سوار ہیں اور آپؐ فرمار ہے ہیں، اے اللہ! میں اس سے پیار کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما!''

ایک بار حضرت حسنؓ! یا حضرت حسینؓ آپؐ کے کندھوں پر سوار تھے، کسی نے دیکھ کر کہا، واہ کیا سواری ہاتھ آئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا سوار بھی کیا خوب ہے۔''

(سیرت النبیؐ جلد دوم)

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گود میں لے کر اپنے زانو پر بٹھا لیتے اور دوسرے زانو پر حضرت حسنؓ کو بٹھا لیتے اور پھر ہم دونوں کو سینے سے چمٹا کر فرماتے اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما کہ میں ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے آپؐ بے انتہا محبت کرتے تھے، فرماتے، یہ میرے گلدستے ہیں، آپؐ بیٹی کے یہاں تشریف لے جاتے تو فرماتے، میرے بچوں کو لاؤ۔ وہ بچوں کو لاتیں تو آپؐ انھیں گود میں لیتے، چومتے اور اپنے سینے سے چمٹا لیتے۔

حضرت حسینؓ کو اکثر گود میں لیتے اور ان کے منہ پر منہ رکھ کر پیار کرتے اور فرمایا کرتے، اے اللہ میں اسے چاہتا ہوں، اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔

(سیرت النبیؐ: جلد دوم)

نبی اکرمؐ اور اولاد سے محبت

حضرت انسؓ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اور شب و روز آپؐ کی خدمت میں رہتے تھے، فرماتے ہیں، میں نے کسی شخص کو اپنے خاندان والوں سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپؐ اپنے خاندان والوں سے محبت فرماتے تھے۔

☆ آپؐ کا مستقل معمول تھا کہ جب بھی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے یہاں جاتے اور سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت ادا کر کے حضرت فاطمہؓ ہی کے یہاں پہنچتے۔

☆ ایک بار کسی بات پر حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ میں کچھ خفگی ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو ان کے گھر پہنچے اور صلح صفائی کرادی۔ پھر آپؐ باہر آئے تو بہت خوش

تھے،لوگوں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ جب آپؐ گھر کے اندر جا رہے تھے تو بڑے فکر مند تھے اور باہر تشریف لائے تو بہت خوش ہیں،فرمایا:''ہاں میں نے ان دو شخصوں کو ملا دیا جن سے مجھے انتہائی محبت ہے۔''(سیرت النبیؐ)

☆ ایک بار حضرت علیؓ نے دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو بہت صدمہ ہوا، اسی وقت مسجد میں پہنچے اور خطبہ دیا، خطبے میں اپنی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا، فاطمہ میری پیاری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو اس کو دکھ دے گا وہ مجھے دکھ دے گا۔ (بخاری)

☆ حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بھی جنگ بدر میں قید ہو کر آئے، فیصلہ ہوا کہ ان قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے۔ ابوالعاص کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لیے رقم نہ تھی، اپنے گھر اطلاع کی کہ رہائی کے لیے فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ وفادار بیوی نے اپنی ماں حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار فوراً بھیج دیا، ابوالعاص نے یہ ہار فدیہ میں پیش کر دیا، ہار جب سامنے آیا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے تاب ہو گئے، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''اگر تمہاری رائے ہو تو یہ ہار زینب کو واپس کر دیا جائے؟'' جاں نثاروں نے کہا، ضرور واپس فرما دیجیے اور وہ ہار آپؐ نے حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا۔

☆ آپؐ کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیمؓ مدینے کے بیرونی علاقے میں ایک لوہار ابوسیف کے یہاں پرورش پا رہے تھے۔ آپؐ اکثر پیدل وہاں جاتے۔ ابوسیف لوہار تھے، اس لیے گھر میں اکثر دھواں ہوتا رہتا، آپؐ اسی دھویں میں بیٹھے رہتے، بچے کو گود میں لیتے پیار کرتے، اور پھر مدینہ واپس آتے۔

(سیرت النبیؐ: جلد دوم)

☆ ایک بار آپؐ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ راستے میں کھیل رہے تھے، آپؐ نے دونوں ہاتھ پیار میں پھیلا دیئے کہ حضرت حسینؓ آپؐ کے پاس آ جائیں۔ حضرت حسینؓ ہنستے ہوئے پاس آتے اور نکل نکل جاتے،

آخر کار آپؐ نے ان کو پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا اور ایک سر پر اور اپنے سینے سے چمٹا لیا پھر فرمایا حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں۔ (بخاری)

☆ حضرت زینبؓ کی ایک چھوٹی پیاری بچی تھی جن کا نام امامہؓ تھا، امامہؓ سے نبی ﷺ کو بے حد محبت تھی۔ اکثر نماز کے وقت بھی وہ آپؐ کے ساتھ رہتیں۔ آپؐ نماز پڑھتے تو وہ کندھوں پر سوار ہو جاتیں، رکوع کرتے تو آپؐ ان کو اتار دیتے، آپؐ پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔

☆ ایک بار آپؐ کی خدمت میں کسی نے کچھ چیزیں تحفے میں بھیجیں، ان تحفوں میں سونے کا ہار بھی تھا۔ اس وقت آپؐ وہاں کھیل رہی تھیں، نبی ﷺ نے فرمایا یہ ہار میں اس کو دوں گا جو گھر کے لوگوں میں مجھے بہت زیادہ محبوب ہے۔ گھر کی عورتیں سمجھیں کہ آپؐ یہ ہار حضرت عائشہؓ کو عنایت فرمائیں گی۔ مگر آپؐ نے امامہؓ کو اپنے پاس بلایا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔ (سیرت النبیؐ، جلد دوم)

ماں کی مامتا اور نبی اکرمؐ کا فیصلہ

نبی ﷺ کے دور میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور چاہا کہ بچہ بھی اسے ملے۔ بچے کی ماں کا برا حال تھا، ایک تو شوہر کے چھوٹنے کا صدمہ اور پھر یہ غم کہ یہ سہارا بھی چھن جائے گا۔ غم سے نڈھال رحمت عالم ﷺ کے دربار میں فریاد لے کر آئیں اور اپنی بپتا بڑے ہی درد انگیز انداز میں نبی ﷺ کو سنائی:

''اے اللہ کے رسولؐ! میرے شوہر نے مجھے طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیا اور اب مجھ سے میرے اس ننھے کو بھی چھیننا چاہتا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ! یہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، میرا پیٹ اس کی آرام گاہ ہے، میری چھاتیاں اس کا مشکیزہ ہیں، اور میری گود اس کا گھروندا ہے، اے اللہ کے رسولؐ میں اس صدمے کو کیسے برداشت کروں گی!''

رحمت عالم ﷺ نے خاتون کی فریاد سن کر فرمایا: ''جب تک تم دوسرا نکاح نہ کر لو، تم سے تمہارے بچے کو کوئی نہیں چھین سکتا۔'' (ابوداؤد)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ایک عجیب تمنا

حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک واقعہ سنایا۔ آپؐ نے بتایا کہ ایک بار کسی آدمی نے حضرت یعقوبؑ سے پوچھا: حضرت آپ کی آنکھیں کس وجہ سے جاتی رہیں اور آپ کی کمر کس وجہ سے جھک گئی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا: آنکھیں تو یوسف علیہ السلام کے غم میں روتے روتے جاتی رہیں اور کمر اس کے بھائی بنیامین کے صدمے سے جھک گئی ہے، حضرت جبریل علیہ السلام اسی وقت حضرت یعقوبؑ کے پاس آئے اور بولے: ''آپ خدا کی شکایت کر رہے ہیں؟'' حضرت یعقوبؑ بولے ''نہیں بلکہ اللہ کے حضور اپنے غم اور دکھ کی فریاد پیش کر رہا ہوں۔'' حضرت جبریلؑ نے فرمایا: آپؑ نے اپنا جو دکھ بیان کیا ہے، خدا کو سب معلوم ہے۔ پھر حضرت جبریلؑ چلے گئے اور حضرت یعقوبؑ اپنے کمرے میں داخل ہوئے اور کہنے لگے اے میرے پروردگار! کیا تجھے ایک بوڑھے آدمی پر رحم نہیں آتا، تو نے میری آنکھیں بھی چھین لیں اور میری کمر بھی جھکا دی۔ پروردگار! میرے دونوں پھولوں کو مجھے لوٹا دے، کہ میں دونوں کو صرف ایک بار سونگھ لوں پھر تو جو چاہے میرے ساتھ سلوک کر، حضرت جبریلؑ پھر تشریف لائے اور بولے اے یعقوب! اللہ تعالیٰ تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یعقوبؑ خوش ہو جاؤ۔ اگر تمہارے دونوں بیٹے مر گئے ہوتے تو بھی ہم تمہاری خاطر انھیں زندہ اٹھا دیتے تا کہ تم دونوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔ (ترغیب و ترہیب ج سوم ص350)

دربار رسولؐ میں ایک ماں کی فریاد

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خاتون آئی اور فریاد کرنے لگی ''یا رسولؐ اللہ! میرا ایک بیٹا ہے۔ میں عورت ذات باہر کا کام کر نہیں سکتی، وہی میرے لیے کنویں سے پانی بھر کر لا دیتا ہے اور دوسرے باہر کے بہت سے کام بھی کر دیتا ہے۔ یا رسولؐ اللہ! میرا شوہر جو مجھ سے جدا ہو گیا ہے وہ مجھ سے میرے اس بچے کو بھی لینا چاہتا ہے۔''

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی فریاد سن کر فیصلہ فرمایا۔ ''اچھا قرعہ ڈال لو، جس

کے نام قرعہ نکل آئے وہی بچے کو اپنے ساتھ لے جائے۔ لڑکے کے باپ نے کہا: ''یارسول اللہ! یہ میرا لڑکا ہے، بھلا کوئی اور اس کو اپنے ساتھ لے جانے کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے، میرے ہوتے ہوئے کیسے کوئی اس کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں اور باپ دونوں کی باتیں سن کر لڑکے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''بیٹے! یہ تیرے باپ ہیں اور یہ تیری ماں ہیں، تجھے اختیار ہے کہ جس کا ہاتھ چاہے پکڑ لے۔''

لڑکا اپنی جگہ سے اٹھا، اپنی پیاری ماں کے پاس گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔''

اولاد کی تعلیم وتربیت

اولاد کی ظاہری اور جسمانی پرورش ونگہداشت بھی اولاد کا بڑا اہم حق ہے، لیکن اس حق کے تقاضے پورے کرنے کے باوجود اگر آپ اس کی تعلیم وتربیت اور تادیب وتہذیب سے غفلت برت رہے ہیں، تو آپ زبردست کوتاہی کررہی ہیں۔ تعلیم وتربیت کے بغیر آپ کی اولاد وہ اولاد نہیں بن سکتی جو آپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور، زندگی کا سہارا اور آخرت کی سرخروئی کا سامان بن سکے۔ جن پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ آپ اولاد کی خواہش کرتی ہیں اور جن اچھی آرزوؤں اور امیدوں کے ساتھ شب وروز ان کی پرورش میں لگی رہتی ہیں وہ اسی وقت پوری ہوسکتی ہیں جب آپ اولاد کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا حق ادا کردیں۔

اولاد کو نیک اور سعادت مند اٹھانا آپ کا دینی فریضہ بھی ہے اور اولاد سے مہر ومحبت کا تقاضا بھی، اور اولاد کا حق بھی۔ دراصل اولاد کے حقوق میں سب سے اہم حق یہی ہے کہ آپ نہایت حکمت وتدبر، صبر وتحمل، فرض شناسی وفراخی، ذوق وشوق، توجہ ولگن اور عزم و ولولے کے ساتھ ان کی تادیب وتربیت کا اہتمام کریں۔ اولاد کا یہ حق ادا کرکے ہی آپ یہ توقع رکھ سکتی ہیں کہ آپ کی اولاد آپ کے لیے وجہ سکون، معاشرے کے لیے باعث رحمت، ملت کے لیے سامان فخر اور دین کے لیے سرمایہ بن سکیں۔ اولاد کی پرورش میں جسم و جان کی قوتیں گھلانے اور اپنا دل بے دریغ لٹانے کے باوجود اگر آپ ان کی تربیت و تادیب سے غفلت برت رہی ہیں، تو آپ سنگین سماجی جرم اور زبردست گناہ کررہی ہیں۔ جن کے اثرات ونتائج انتہائی دردناک اور رُسواکن ہیں۔

تعلیم وتربیت میں ماں کا خصوصی حصہ

بلا شبہ اولاد کی تعلیم وتربیت تنہا آپ کی ذمّے داری نہیں ہے، بلکہ ماں اور باپ دونوں کی ذمّے داری ہے۔ ماں کی تربیت کی طرح باپ کی تادیب بھی انتہائی ضروری ہے، بلکہ اس معاملے میں جہاں تک مصارف کا تعلق ہے، دین نے یہ ذمّے داری تمام تر باپ پر ہی ڈالی ہے۔ ماں کو اس ذمّے داری سے سبکدوش رکھا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بچے کی تعلیم وتربیت میں ماں کے کردار کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اور اس سلسلے میں اس کی کوششوں کا خصوصی حصہ ہے۔ بچے کی جسمانی دیکھ بھال اور پرورش میں جس طرح ماں نہایت استقلال وتحمل، جاں سوزی ولگن اور ہمت وجاں فشانی کے ساتھ مسلسل جسم وجان کی قوتیں کھپاتی ہے اور ایک خصوصی کردار کا مظاہرہ کرتی ہے ٹھیک اسی طرح بچے کی تعلیم و تربیت میں بھی ماں کا خصوصی حصہ ہے اور ماں کی تربیت ہی سے بچہ اس لائق بنتا ہے کہ وہ ملک وملت کا نام روشن کرے اور ماں باپ کو سکھ پہنچائے۔

باپ روزی حاصل کرنے اور ضروریات زندگی حاصل کرنے کی دوڑ دھوپ میں اکثر اوقات اپنے بچوں سے الگ اور بے تعلق رہتا ہے اور خواہش کے باوجود اس کو اتنا موقع نہیں مل پاتا کہ وہ بچوں کی تربیت پر خاطر خواہ دھیان دے سکے اور بچوں کی تعلیم وتادیب کا حق ادا کر سکے، قدرتی طور پر ماں کو ہی اس کا زیادہ سے زیادہ موقع حاصل ہوتا ہے، وہ بالعموم ہمہ وقت بچوں کے ساتھ رہتی ہے، بچوں کی پوری زندگی اور ان کی شخصیت کا ہر ہر پہلو اس کے سامنے ہوتا ہے۔ ہر وقت ساتھ رہنے کی وجہ سے بچوں پر ماں کی زیادہ ہیبت بھی نہیں ہوتی، ماں کی غیر معمولی نرم مزاجی اور تحمل اور بے مثال پیار ومحبت کے باعث بچے ماں سے زیادہ بے خوف اور مانوس ہوتے ہیں اور بڑی بے خوفی اور آزادی کے ساتھ ماں کے سامنے اپنے ہر طرح کے مطالبے، احتجاج اور شرارتیں کرتے ہیں، جس سے ان کی اصلاح و تربیت کا کام نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ پھر تربیت واصلاح کے لیے صبر وبرداشت، ایثار و دل سوزی، عفو ودرگزر اور پیار ومحبت کے جن اخلاقی اوصاف کی ضرورت ہے، ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے باپ کے مقابلے میں ماں کو زیادہ نوازا ہے۔ باپ بہت جلد جھنجھلاہٹ، غصہ

اور نفرت و بیزاری کا اظہار کرنے لگتا ہے، لیکن ماں آخر وقت تک صبر و تحمل، رحمت و محبت اور حُسنِ تعلق کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اور بچے کے اندرونی احساسات کو جگانے میں زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔ اولاد کی غلطیوں پر غضب ناک ہو کر باپ بیزاری اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے اور ماں بچے کو سینے سے لگا کر آخر دم تک اس کے سدھارنے اور اونچا اٹھانے میں دل سوزی سے لگی رہتی ہے۔

پرورش اور تربیت دونوں پہلوؤں سے ماں جس جاں سوزی اور لگن کے ساتھ اپنی ذمّے داری کو انجام دیتی ہے وہ اسی کا حصہ ہے، باپ کو نہ تو اس کے لیے حسبِ ضرورت موقع حاصل ہے اور نہ طبعی طور پر اس کو وہ قوتیں حاصل ہیں جو اس ذمّے داری کو ادا کرنے کے لیے درکار ہیں۔ ماں کی اسی بے مثال خدمت اور غیر معمولی قربانی کے پیشِ نظر دین میں ماں کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ نیک سلوک کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اور ماں کے زبردست احسانات گنا کر اولاد کے جذبۂ احسان مندی اور جذبۂ شکر کو ابھارا گیا ہے کہ وہ باپ کے مقابلے میں ماں کی خدمت و اطاعت کا زیادہ خیال رکھیں۔

بہز بن حکیم کے دادا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا ''یا رسول اللہ! ''میں کس کے ساتھ سب سے زیادہ نیک سلوک کروں؟'' فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' صحابیؓ نے پوچھا ''یا رسول اللہ! اس کے بعد کس کے ساتھ؟'' فرمایا ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' صحابیؓ نے پھر پوچھا ''یا رسول اللہ! اس کے بعد کس کے ساتھ؟'' فرمایا ''اپنے باپ کے ساتھ۔'' (متفق علیہ)

حضرت طلحہؓ بن معاویہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ''یا رسول اللہ میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں؟'' آپؐ نے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہیں، فرمایا جی ہاں زندہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ ان کے قدموں میں رہو اس لیے کہ جنت وہیں ان کے قدموں میں ہے۔'' (الترغیب والترہیب ج ۳، ص ۳۱۶)

یعنی ماں کی خدمت و اطاعت بجا لا کر اور اس کے ساتھ عاجزی اور خاکساری سے پیش آ کر ہی آدمی خدا کی جنت کا مستحق بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے ماں کی یہ عظمت اور احترام

وہی اولاد کر سکتی ہے جو ان تعلیماتِ دین سے واقف ہو، جس کے دل میں خدا اور رسولؐ اور اس کے احکام کی قدر ہو، جو رسولؐ کی رسالت اور آپؐ کی تعلیمات پر یقین رکھتی ہو اور جو ماں کے قدموں میں جنت پانے کو اپنی سعادت سمجھتی ہو، اور ایسے نونہال اسی ماں کی گود میں پروان چڑھ سکتے ہیں، جس کو اپنی اہم ذمّے داری کا شعور ہو، اور وہ دل و جان سے اپنی ذمّے داری کو ادا کرنے میں لگی ہوئی ہو۔

عظیم ماں کی تربیت نے تقدیریں بدل دیں

سوداگروں کا ایک قافلہ بغداد کی طرف جا رہا تھا، ان کے ساتھ ایک نوعمر لڑکا بھی تھا، جس کو اس کی ماں نے کچھ ہدایات دے کر اس قافلے کے ساتھ اس لیے کر دیا تھا کہ حفاظت کے ساتھ یہ اپنی منزل پر پہنچ جائے اور دین کا علم حاصل کر کے خدا کے بندوں کو خدا کی ہدایت اور روشنی دکھائے۔

قافلہ اطمینان سے چلا جا رہا تھا کہ ایک جگہ کچھ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا۔ قافلے والوں نے اپنا مال واسباب بچانے کے لیے بڑی چالیں چلیں کہ کسی طرح ان ڈاکوؤں سے اپنا کچھ مال بچا لیں، لیکن ڈاکو نہ ان کی چالوں میں آئے اور نہ ان کی رحم کی اپیلوں سے ان کے دل پسیجے، قافلے کے ایک ایک آدمی سے انھوں نے سب کچھ چھین لیا۔

ڈاکو جب اپنا کام کر چکے تو ان میں سے ایک نے اس نوعمر غریب اور پریشان حال بچے سے پوچھا:

ڈاکو: کہو میاں تمھارے پاس بھی کچھ ہے؟

نوعمر لڑکا: جی ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔

ڈاکو: تمھارے پاس چالیس دینار ہیں! ڈاکو کو یقین نہ آیا۔ اس خستہ حال اور غریب کے پاس چالیس دینار کہاں سے آئے اور اگر ہوتے بھی تو یہ ہمیں کیوں بتاتا۔ ڈاکو نے سوچا اور اس عجیب و غریب لڑکے کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔

ڈاکو: سردار! اس لڑکے کو دیکھیے، کہتا ہے کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔

سردار: میاں صاحبزادے کیا تمھارے پاس واقعی دینار ہیں؟

نوعمرلڑکا: ''جی ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔''

سردار: بھلا تمہارے دینار کہاں رکھے ہیں؟ سردار نے غریب لڑکے کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نوعمرلڑکا: جی میری کمر سے ایک تھیلی بندھی ہوئی ہے، اس میں ہیں۔

سردار نے لڑکے کی کمر سے تھیلی کھولی، دینار گنے، واقعی چالیس دینار تھے۔ سردار حیرت سے کچھ دیر اس لڑکے کو دیکھتا رہا، پھر بولا، صاحبزادے تم کہاں جا رہے ہو؟

نوعمرلڑکا: میں دین کا علم حاصل کرنے کے لیے بغداد جا رہا ہوں۔

سردار: کیا وہاں تمہارا جاننے والا کوئی ہے؟

نوعمرلڑکا: جی نہیں، وہ ایک اجنبی شہر ہے، میری امی نے مجھے یہ چالیس دینار دیئے تھے کہ میں اطمینان کے ساتھ علمِ دین حاصل کرسکوں، اس اجنبی شہر میں میری ضروریات کا کون خیال کرے گا اور میں کیوں کسی کا احسان اٹھاؤں۔

سردار بڑی دلچسپی اور حیرت کے ساتھ نوعمر لڑکے کی باتیں سن رہا تھا، اس کی سنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی، وہ سوچ رہا تھا، اس نوعمر نے یہ رقم چھپائی کیوں نہیں، اگر یہ نہ بتاتا تو میرے کسی ساتھی کو گمان بھی نہ ہوتا کہ اس پریشان حال اور مفلس لڑکے کے پاس بھی کچھ ہوسکتا ہے، اس لڑکے نے یہ کیوں نہ سوچا کہ میں ایک اجنبی مقام پر جا رہا ہوں، میرے مستقبل اور تعلیم کا دارومدار اسی رقم پر ہے۔ آخر اس نے یہ رقم چھپائی کیوں نہیں، بچے کی سادگی اور سچائی نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑنا شروع کیا اور اس نے پوچھا صاحبزادے! تم نے یہ رقم چھپائی کیوں نہیں۔ اگر تم نہ بتاتے اور انکار کر دیتے تو ہمیں شبہ بھی نہ ہوتا کہ تمہارے پاس بھی کوئی رقم ہوسکتی ہے۔

نوعمرلڑکا: جب میں گھر سے نکل رہا تھا تو میری ماں نے مجھے یہ نصیحت کردی تھی کہ بیٹا، کچھ بھی ہو، تم جھوٹ ہرگز نہ بولنا۔ بھلا میں ماں کے حکم کو کیسے ٹال دیتا۔

سردار کے اندر کا انسان جاگ گیا۔ وہ سوچنے لگا، یہ نوعمر لڑکا اپنی ماں کا ایسا اطاعت گزار ہے کہ وہ اپنا مستقبل تباہ ہوتے دیکھ رہا ہے لیکن ماں کا حکم ٹالنے کو تیار نہیں اور

میں کتنے عرصے سے برابر اپنے پروردگار کے حکموں کو روندر ہا ہوں۔ اس نے لڑکے کو گلے سے لگایا، اس کے دینار اس کو واپس کیے، قافلے والوں کا سامان واپس کیا اور خدا کے حضور سجدے میں گر کر گڑگڑانے لگا، سچے دل سے اس نے توبہ کی اور خدا کی رحمت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہی ڈاکو پھر اپنے وقت کا ایک زبردست ولی بنا اور خدا کے بندوں کو لوٹنے والا خدا کے بندوں کو دین کی دولت تقسیم کرنے والا بن گیا۔ عظیم ماں کی تربیت نے صرف نوعمر لڑکے کو ہی اونچا نہیں اٹھایا بلکہ ڈاکوؤں کی بھی تقدیر بدل دی۔ یہ وہی ہونہار لڑکا ہے جس کو ساری اسلامی دنیا عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے جانتی ہے اور جس کا نام آتے ہی دل عقیدت واحترام سے جھک جاتے ہیں۔

اولاد کا شاندار مستقبل

کون نہیں چاہتا کہ اس کی اولاد کا مستقبل شاندار ہو، یہ ایک فطری خواہش ہے، اور خدا نے اس خواہش اور آرزو میں بڑی قوت اور کشش رکھی ہے، ماں باپ اس معاملے میں خاص طور پر کچھ زیادہ سنجیدہ، حساس اور سرگرم ہوتے ہیں۔ دنیا کی رنگارنگ مصروفیتوں اور الجھنوں کے باوجود والدین اس فکر سے کبھی غافل نہیں ہوتے بلکہ بڑی حد تک ان کی ساری کوششیں اور کاوشیں اسی مقصد کے لیے ہوتی ہیں کہ ان کی اولاد شاندار مستقبل کی مالک بن سکے اور ایسے ماں باپ شاید ہی ہوں جنھیں اپنی اولاد کے مستقبل سے کوئی سروکار نہ ہو۔

اولاد کے تابناک مستقبل کی آرزو انتہائی پسندیدہ آرزو ہے، علم وعقل کی نظر میں بھی، سماج کی نظر میں بھی اور دین کی نظر میں بھی۔ بلکہ دین تو اس کی ترغیب دیتا ہے، مومن ماں باپ کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مستقبل کو شاندار بنائیں۔ سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اولاد کے شاندار مستقبل کا مفہوم کیا ہے؟

شاندار مستقبل، اسلام کی نظر میں

اسلام کی نظر میں اولاد کا شاندار مستقبل کیا ہے اس سوال کا صحیح جواب پانے کے لیے آپ کو ایک اور ضمنی سوال پر غور کرنا پڑے گا اور وہ یہ کہ آخر مسلمان ماں باپ اولاد کی آرزو

کس لیے کرتے ہیں اور دوسرے ماں باپ کے مقابلے میں ان کی آرزو میں امتیاز کیا ہے؟
اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں قرآن کی ان آیات پر غور کرنا چاہیے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام کی زندگی کے اس خاص پہلو پر تعریفی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے:

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِیۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ‌ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ مریم 19:6-4

''(حضرت زکریا علیہ السلام نے) کہا، اے میرے رب! میری ہڈیاں گھل گئی ہیں، میرا سر بڑھاپے کی سفیدی سے بھڑک اٹھا ہے، میرے رب! تجھ سے دعا مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا ہوں، مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں سے برائی کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میری میراث بھی پائے اور آلِ یعقوب (علیہ السلام) کی میراث بھی اور میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔

حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کی بیوی الیشبع جب دونوں عمر کی آخری حد کو پہنچے اور ان کے قوائے عمل جواب دینے لگے تو حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ غم ستانے لگا کہ میرے بعد میرے مشن کا علمبردار کون ہوگا۔ اور خدا کے دین کی حفاظت و اشاعت کا فریضہ کون انجام دے گا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ نئی نسل کے نوجوان دین سے برگشتہ اور غیر ذمّے دار ہیں، کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حضرت زکریا علیہ السلام کی جانشینی کر سکے۔ وہ یہ دیکھ کر کڑھتے اور خدا سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے:

''پروردگار مجھے ایک وارث عطا فرما دے جو میری اور آلِ یعقوب علیہ السلام کی میراث سنبھال سکے اور میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا۔'' حضرت زکریا نے اولاد کی آرزو اس لیے نہیں کی تھی کہ ان کی نسل باقی رہے، اس لیے بھی نہیں کی تھی کہ وہ ان کی جائیداد اور کاروبار سنبھالے۔ بیٹے کی آرزو صرف اس لیے کی تھی کہ میرے بعد دین کی ذمّے داریاں سنبھالنے میں وہ میرا حقیقی جانشین ہو اور خدا کا پسندیدہ بندہ بن کر رہے۔

مومن باپ کے دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی اس دعا کو خدا نے شرفِ قبولیت بخشا اور ان کو ایک ایسے صالح بیٹے سے نوازا جس کے شاندار مستقبل پر خدا کی کتاب گواہ ہے۔

وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ۝١٢ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝١٣ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝١٤ مریم19:14-12

''اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو حکم عطا کیا، اپنی خصوصی عنایت سے نرم دلی سے نوازا، پاکیزہ زندگی دی، وہ خدا ترس تھے، والدین کی حق شناس تھے، وہ نہ سرکش تھے اور نہ نافرمان۔''

کامیاب مستقبل کی تصویر کشی کرتے ہوئے قرآن نے یہاں یحییٰ علیہ السلام کی سیرت کے چند نمایاں اوصاف پر روشنی ڈالی ہے۔

حکم، نرم دلی، پاکیزگی، متقیانہ زندگی، والدین کی حق شناسی، اور سرکشی اور نافرمانی سے پاک زندگی۔

حکم سے مراد صحیح قوتِ فیصلہ ہے، دین و دنیا کے معاملات میں گہری سُوجھ بُوجھ اور صحیح نتائج اخذ کر کے صحیح فیصلے تک پہنچنے کی صلاحیت ایک انتہائی پسندیدہ اور نمایاں خُوبی ہے۔

نرم دلی، صرف ایک خوبی ہی نہیں بلکہ بہت سی اخلاقی خوبیوں کی بنیاد ہے۔ پاکیزگی یعنی گناہ، بے حیائی، بے راہ روی اور ظلم و زیادتی سے ان کا نفس پاک تھا۔ نفس کی پاکیزگی اعلیٰ درجے کی اخلاقی فضیلت ہے۔

تقویٰ، خدا ترسی اور پرہیزگاری کی زندگی ہی ایک کامیاب زندگی ہے اور ایک متقی انسان ہی خدا کی نظر میں عزت و فضیلت کا مستحق ہے۔

والدین کی حق شناسی، وہ جوہر ہے جو سماجی زندگی کے تمام حقوق ادا کرنے کے لیے آدمی کو مستعد رکھتا ہے۔ والدین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور وہی اولاد ہوتی ہے، جو اطاعت شعار، خدمت گزار اور والدین کی حق شناس ہو، جو نہ سرکش ہو اور نہ نافرمان۔

قرآن پاک کے اس بیان کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجئے کہ آپ کیا چاہتی ہیں، آپ کی آرزوئیں کیا ہیں، آپ اپنے رب سے کیا التجائیں اور دعائیں کرتی ہیں، آپ کی نظر میں بچوں کے شاندار مستقبل کا نقشہ کیا ہے، وہ نقشہ کس حد تک قرآن کے اس نقشے کے مطابق ہے اور اس کے لیے آپ کی کوششیں کیا ہیں؟

شاندار مستقبل کا حاصل صرف یہی نہیں ہے کہ آپ کی اولاد خوش حال ہو، ان کے

پاس اعلیٰ ڈگریاں اور اونچے عہدے ہوں، عیش و آرام کا سارا ساز و سامان ہو، دنیوی عزت اور اقتدار ہو، اونچی کوٹھیاں اور آرام دہ سواریاں ہوں۔ اسلام آپ کو اس سے نہیں روکتا کہ آپ اپنی اولاد کے لیے ان چیزوں کی تمنا کریں، یا ان چیزوں کو حاصل کرنے میں ان کو تعاون دیں، البتہ وہ آپ کے ذہن کی یہ تربیت ضرور کرنا چاہتا ہے کہ آپ کی نظر ان چیزوں تک محدود نہ رہے، اور آپ انھی چیزوں کو شاندار مستقبل کا حاصل نہ سمجھنے لگیں۔

آپ کی یہ آرزو ناپسندیدہ نہیں ہے کہ آپ کی اولاد اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہو، اعلیٰ عہدے پر فائز ہو، عیش و سکون کا ہر سامان اس کو مہیا ہو اور دنیوی اعتبار سے وہ ہر طرح کامیاب ہو۔ اس کے لیے آپ کی کوششیں بھی ہرگز پسندیدہ نہیں، ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ آپ اس دنیوی کامرانی ہی کو اپنا مقصود بنالیں اور اولاد کے دین و اخلاق سے غافل ہو جائیں۔ مسلمان ماں کسی وقت بھی اس حقیقت کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دین و ایمان سے غافل ہو کر اس زندگی کی کامیابی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ آپ کی اولاد کا شاندار مستقبل یہ ہے کہ وہ دینی علوم سے آراستہ ہو، دین میں گہری سوجھ بوجھ انھیں حاصل ہو، پاکیزہ اخلاق اور اسلامی تہذیب کے وہ نمائندے ہوں، سماجی حقوق ادا کرنے میں وہ چاق و چوبند ہوں۔ ان کی زندگیاں پاکیزگی، خداترسی اور پرہیزگاری کا نمونہ ہوں، والدین کے اطاعت شعار اور خدمت گزار ہوں، اور وہ دنیوی زندگی کے اونچے سے اونچے منصب پر ہوتے ہوئے بھی دینِ حق کے سچے نمائندے اور مخلص خادم ہوں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کا مقام دین میں

اولاد کی زندگی کو اسلامی نقطۂ نظر سے کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اولاد کی تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ دیں، انتہائی حکمت، دل سوزی، بردباری اور صبر و استقلال کے ساتھ اس کام میں لگی رہیں، اس کام سے آپ کا شغف دین کی نظر میں بھی آپ کی عظمت کا ذریعہ ہے اور سماج کی نظر میں بھی، دنیا میں بھی اس کی بدولت آپ عزت اور نیک نامی پائیں گی اور آخرت میں بھی اعزاز و اکرام کی مستحق ہوں گی۔ خدا کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں اولاد کے لیے آپ کا سب سے بہتر تحفہ یہ ہے کہ آپ اسے بہترین تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت ہے۔''

اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت صدقۂ جاریہ ہے، آپ کے عمل کی مہلت ختم ہو چکی ہوگی لیکن آپ کے نامۂ عمل میں اجر وانعام بڑھتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔

''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اپنے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، مگر تین چیزوں کا اجر وثواب مرنے کے بعد ملتا رہتا ہے ایک یہ کہ وہ کوئی صدقہ جاریہ کر جائے، یا ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں یا نیک لڑکا چھوڑ جائے جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔''

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ عالمِ قرآن کے ماں باپ کو قیامت کے روز تاج پہنایا جائے گا۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ وَ عَمِلَ بِهٖ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ (ابوداؤد، حاکم)

''جس نے قرآن کا علم حاصل کیا اور اس پر عمل بھی کیا، اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے زیادہ بہتر ہوگی جو دنیا کے گھروں کو روشن کرتا ہے، تو کہو تمہارا کیا خیال ہے ایسے شخص کے بارے میں جس نے یہ عمل کیا۔''

اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تاج کے علاوہ جنت کی خلعت کا بھی ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے قرآن پڑھا اور سیکھا اور اس پر عمل کیا، اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز ایک نورانی تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی جیسی ہوگی، اور اس کے ماں باپ کو ایسی بیش بہا دو خلعتیں پہنائی جائیں گی، جن کی قیمت پر پوری دنیا بھی نہ بن سکے گی، تو یہ ماں باپ تعجب سے پوچھیں گے یہ خلعتیں ہمیں کس صلے میں پہنائی جا رہی ہیں، ان سے کہا جائے گا یہ صلہ

ہے اس بات کا کہ تمہارے بچے نے قرآن کا علم حاصل کیا تھا۔

ان ارشادات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تربیتِ اولاد کا بے بہا اجر و انعام بیان کر کے امت کو اس فریضے کی ترغیب دی ہے، اور مقصود یہ ہے کہ امت کا کوئی گھرانہ ایسا نہ ہو جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت سے لا پروائی برتی جائے۔ ترغیب کے ساتھ ساتھ آپؐ نے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ یہ والدین کا فرض ہے اور اس سے غفلت برتنے والوں سے قیامت کے روز سخت باز پُرس کی جائے گی۔

بچوں کی عزّتِ نفس کا خیال

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ۔

(ترغیب وترہیب بحوالہ ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اولاد کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرو اور ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔''

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اچھی تعلیم و تربیت کی تاکید کے ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی کہ ان کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرو بلکہ پہلے یہ تاکید ہے کہ اولاد کے ساتھ اکرام اور عزت کا سلوک کرو اور پھر یہ تاکید ہے کہ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دو۔

ماں باپ کے لیے یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے، بچوں کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک اس درجے قابل توجہ ہے کہ اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے متوجہ فرمایا اور اس کے بعد اچھی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا۔ بچوں کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی عزتِ نفس کا انتہائی خیال رکھا جائے، ان کے ساتھ کوئی ایسا طرزِ عمل اور کوئی ایسا اندازِ گفتگو ہرگز اختیار نہ کیا جائے جس سے ان کی خودداری مجروح ہو، اور وہ اپنے کو ناکارہ اور ذلیل سمجھنے لگیں۔ عام طور پر ابتدائی تعلیم و تربیت ہی میں اس طرف سے غفلت برتی جاتی ہے اور بچے کی عزتِ نفس اور خودداری کا خیال نہیں رکھا جاتا حالانکہ بچپن کا زمانہ ہی وہ بہترین زمانہ ہے جس میں بچے کے ذہن و قلب کی صاف تختی پر آپ جو چاہیں نقش کر دیں۔ یہ نقش زندگی بھر سیرت و کردار پر اثر انداز رہتے ہیں، بچے کے بننے بگڑنے میں

ابتدائی تعلیم وتربیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

آپ ہی غور فرمائیں بچے کے ذہن میں ماں باپ یا معلم کے غلط طرزِ عمل سے ابتدا ہی میں اگر یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ وہ ناکارہ اور ذلیل ہے، نہ اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ اچھے انداز میں گفتگو کی جائے، نہ اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ عزت کا سلوک کیا جائے اور نہ اس لائق ہے کہ اس پر اعتماد کر کے کوئی کام اس کے سپرد کیا جائے، تو بتایئے کہ اس کے اندر حوصلے کی بلندی، خودداری، جرأت، خود اعتمادی، اور عزم وہمت کی بنیادی خوبیاں کیوں کر پیدا ہو سکیں گی، اور ایسا بچہ دین وملت کے لیے کوئی بڑا کام کیوں کر انجام دے سکے گا۔

ماں باپ اپنے انداز گفتگو اور طرزِ عمل پر بھی نگاہ رکھیں اور جن کی تربیت میں بچوں کو دیں ان کی طرف سے بھی اطمینان کرلیں، بچے کی خودداری اور عزتِ نفس کردار کا ایک بنیادی جوہر ہے۔ یہ جوہر اگر مجروح ہو گیا تو پھر بچے میں پست ہمتی، احساس کمتری، بزدلی، ذلت ومسکنت اور بے اعتمادی جیسی اخلاقی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اور ایسے بچوں سے ہرگز توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ زندگی میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں اپنے گھروں کا جائزہ بھی لیجیے اور تعلیم و تربیت کے اداروں کا بھی۔ اچھی تعلیم وتربیت کے لیے بنیادی بات یہی ہے کہ ماں باپ اور معلمین بچوں کے ساتھ رحم وکرم سے پیش آئیں اور کوئی بھی ایسی بات نہ کریں، جس سے بچوں کی عزت کو ٹھیس لگے اور ان کی خودداری مجروح ہو۔

تربیت اولاد کے بارے میں باز پُرس

تربیت اولاد کی تاکید کرتے ہوئے آپؐ نے اس طرف بھی متوجہ فرمایا، کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ باز پرس بھی کرے گا کہ آپؐ نے زیرِ تربیت افراد کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا یا نہیں۔ زیرِ کفالت افراد کی دینی اور اخلاقی تربیت ایک دینی فریضہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا يَسْتَرْعِي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى عَبْدًا رَعِيَّةً قَلَّتْ اَوْ كَثُرَتْ اِلَّا سَاَلَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى عَنْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَقَامَ فِيْهَا اَمْرَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَمْ اَضَاعَهُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ عَنْ

اَهْلِ بَيْتِهٖ خَاصَّةً۔

''خدا جس بندے کو بھی کچھ لوگوں کا نگران بناتا ہے چاہے وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، وہ ضرور قیامت کے روز اس بندے سے باز پرس کرے گا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کو دین پر چلایا یا اسے ضائع کر دیا یہاں تک کہ خاص طور پر اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی محاسبہ کرے گا۔''

تعلیم و تربیت کا آغاز

شکاگو کے مشہور ماہر تعلیم فرانسس وے لینڈ پارکر بار بچوں کی تعلیم و تربیت کے موضوع پر لیکچر دے رہے تھے، لیکچر سے فارغ ہوئے تو ایک خاتون نے ان سے پوچھا:

''مجھے اپنے بچوں کی تعلیم کا آغاز کب کرنا چاہیے؟''

''آپ کے یہاں کب تک بچہ ہونے والا ہے؟'' لینڈ پارکر نے کہا۔

''ہونے والا؟'' عورت حیران ہوکر بولی۔ ''جناب وہ تو پانچ سال کا ہو چکا۔''

''حد ہوگئی خاتون، آپ یہاں کھڑی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ پہلے ہی پانچ بہترین سال ضائع کر چکی ہیں۔''

یہ لطیفہ نہیں حقیقت ہے کہ بچہ ہوتے ہی اس کی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیے۔ ابتدائی چند سال تعلیم و تربیت کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ اور عام طور پر یہی ابتدائی ایام لاپروائی میں ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی بچے کے کان میں اذان واقامت کی بھی یہی حکمت ہے کہ شروع ہی سے خدا کی عظمت اور بڑائی کی آواز اس کے کان میں پہنچے، علامہ ابنِ قیمؒ اپنی کتاب تحفۃ الودود میں فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے کان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی آواز پہنچے اور جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخلِ اسلام ہوگا، اس کی تلقین پیدائش کے دن ہی سے کی جائے۔ جس طرح مرنے کے بعد اس کو کلمۂ توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔ اذان واقامت کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان کو آزمائش میں مبتلا کرے، اذان سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے بچے کو اسلام اور عبادت الٰہی کی دعوت

دے دی جاتی ہے۔

بچہ عمر کے ان ابتدائی ایام میں بول نہیں سکتا لیکن محسوس کرتا ہے اور آوازوں سے اثر لیتا ہے، غیر محسوس طور پر وہ ماں کے انداز و اطوار سے بہت کچھ سیکھتا ہے، اس لیے ان ایام میں بھی بچے کے سامنے کوئی ناشائستہ بات اور نازیبا حرکت نہ کی جائے۔ اچھی آوازوں اور اچھے بولوں سے اسے مانوس کیا جائے اور اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔

جب بچے کی زبان کھلنے لگے تو اسے کلمہ سکھایا جائے اور شروع ہی سے توحید کی تعلیم اور خدا کی صفات کا صحیح تصور اس کے ذہن نشین کرایا جائے۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا، کہ آپؐ کے خاندان میں جب کسی بچے کی زبان کھل جاتی تو آپؐ اس کو سورہ الفرقان کی یہ آیت سکھاتے تھے:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ الفرقان 2:25

”وہ خدا جو زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔“

(مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ)

یہ مختصر سی آیت قرآنِ پاک کی جامع آیات میں سے ایک عظیم الشان آیت ہے، اس کے چند الفاظ میں توحید کی پوری تعلیم کو سمیٹ دیا گیا ہے، بچے کو آغاز ہی میں اگر یہ آیت یاد کرادی جائے، اور اس کا مفہوم اپنی زبان میں ذہن نشین کرادیا جائے تو توقع ہے کہ وہ دین کا درد لیے ہوئے اٹھے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ بچہ جب بولنے لگے تو اس کو کلمہ سکھاؤ۔

اِذَا اَفْصَحَ اَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (ابن سنی)

جب تمہارے بچے بولنے لگیں تو انھیں کلمہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" سکھاؤ۔

حدیث کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انھیں صرف "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" سکھاؤ، دراصل یہ کلمۂ توحید کی طرف اشارہ ہے، مراد یہی ہے کہ انھیں پورا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھاؤ۔

قرآن، دعائیں اور اذکارِ نماز کی تعلیم

بچے جب ذرا اور ہوشیار ہوجائیں تو انھیں نماز کے اذکار یاد کرائیے، جس حد تک ممکن ہو ان اذکار کا ترجمہ اور مطلب بھی سمجھائیے اور اس کا خصوصی اہتمام کیجیے کہ بچے کو کوئی لفظ غلط یاد نہ ہوجائے، اس عمر میں غلط یاد ہوجانے والے الفاظ بعض اوقات عمر بھر تک زبان پر چڑھے رہتے ہیں۔

اسی عمر سے قرآن پاک پڑھانے کا بھی انتظام کیجیے، قرآن پاک کے کچھ حصے حفظ بھی کرائیے اور کچھ حصوں کا ترجمہ اور مفہوم بھی آسان انداز میں ذہن نشین کرائیے، تاکہ شروع ہی سے قرآن پاک کے بارے میں یہ تصور ذہن میں بیٹھے کہ یہ کتاب سمجھ کر پڑھنی چاہیے۔

اس کے علاوہ مختلف مواقع پر پڑھی جانے والی مسنون دعائیں بھی یاد کرائیے۔ بے شک گھریلو ذمّے داریوں میں آپ شب و روز گھری رہتی ہیں، لیکن آپ کی یہ ذمّے داری کسی طرح دوسروں کی ذمّے داریوں سے کم اہم نہیں ہے۔ آپ بچوں کی تربیت و تعلیم کو اپنا ایک خوشگوار مشغلہ بنائیے اور دل کی لگن کے ساتھ اس فریضے کو انجام دیجیے۔ بچے کی عمر اور ذہنی معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے چند دعائیں اس کو ضرور سکھائیے۔ مثلاً سونے جاگنے کی دعائیں، کھانے پینے کی دعائیں، نئے کپڑے پہننے اور نیا پھل کھانے کی دعائیں، چھینک آنے کی دعا اور اس کا جواب، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے آنے کی دعا، اور نیا چاند دیکھنے کی دعا وغیرہ۔ یہ دعائیں ذہن کو بنانے اور دین کے رخ پر لگانے میں انتہائی موثر ہوتی ہیں۔ موزوں جملے، اشعار اور ہم وزن فقرے بچے بڑے شوق سے دہراتے ہیں، اور آسانی سے ان کو یاد بھی ہوجاتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی ان کے ساتھ تعاون کیجیے اور ان کے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے اچھے اچھے موزوں جملے اور اشعار منتخب کیجیے۔ مثلاً:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللہ   مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرَ اللہ

نُوْرِ مُحَمَّدْ صَلَّی اللہ   لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

بچے کے اس شوق کو پورا کرنے میں آپ کوتاہی کریں گے تو وہ کچھ ناشائستہ اشعار اور

غیر مناسب جملے اور فقرے یاد کر کے انھیں دہرائے گا، اور آپ یہ جانتی ہیں کہ کردار کی حفاظت کے لیے زبان کی حفاظت کس قدر ضروری ہے۔

اسلامی آداب کی تعلیم

ادب وتہذیب اور زندگی کا سلیقہ سیکھنے کی عمر بھی یہی ہے۔ بچوں کو ناسمجھ اور نادان کہہ کر ان کی طرف سے لاپروائی برتنا سخت نادانی اور ناسمجھی ہے۔ اس ابتدائی عمر میں آپ جو عادتیں بھی ڈال دیں گے بچے زندگی بھر ان پر کاربند رہیں گے۔ بچپن میں جو صحیح یا غلط عادتیں پڑ جاتی ہیں وہ مشکل ہی سے چھوٹتی ہیں۔ اس عمر میں بچوں کی طرف انتہائی توجہ کی ضرورت ہے، ماں کی ذمّے داری نہایت ہی اہم ہے، زندگی کے ان ابتدائی ایام میں ذرا سی غفلت ہمیشہ کی پشیمانی اور پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔

ایک منصوبے کے تحت حکمت، سوز اور تحمل کے ساتھ بچوں کو زندگی کا سلیقہ سکھائیے۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے کے آداب سکھائیے۔ تعلیم و معلّم کے آداب، مسجد و مدرسے کے آداب بتائیے، پاکی اور طہارت کے آداب، صحت اور پاکیزگی کے آداب، چلنے پھرنے اور ساتھیوں اور سہیلیوں سے ملنے کے آداب، گھر کی اور اپنی چیزوں کو سلیقے سے رکھنے اور استعمال کرنے کے آداب بتائیے اور ایک مہذب اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے برابر اُن کی نگرانی کیجیے۔ صرف ایک بار کسی اچھی بات کی طرف متوجہ کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ تربیت کا یہ تقاضا بھی ہے اور ان کا حق بھی کہ آپ برابر ان پر نگاہ رکھیں اور بار بار کی غلطیوں کے باوجود اکتائیں نہیں، بلکہ صبر و تحمل اور دل سوزی کے ساتھ متوجہ کرتی رہیں اور کسی بھی غلطی کو معمولی سمجھ کر لاپروائی نہ برتیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت حسنؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقے کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی، آپؐ نے کہا ارے تھوکو اسے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے لیے صدقہ کھانا صحیح نہیں ہے۔

حضرت عمر بن ابو سلمہ نبی ﷺ کی بیوی حضرت ام سلمہؓ کے صاحبزادے تھے اور نبی ﷺ کی پرورش میں تھے۔ وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ غُلَامًا فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ يَدِيْ تَطِيْشُ فِي

الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَ کُلْ بِیَمِیْنِكَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْكَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طُعْمَتِیْ بَعْدُ۔ (متفق علیہ)

''میں ابھی لڑکا ہی تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھا، کھاتے وقت میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف گھوم رہا تھا تو مجھ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹے! بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔ پس اس کے بعد سے اب میری مستقل عادت یہی ہے۔''

پاکیزہ قصے کہانی سنانے کا اہتمام

ابتدائی عمر میں بچوں کو قصے کہانی سننے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ نہایت دلچسپی سے قصے کہانی سنتے بھی ہیں اور ان سے اثر بھی لیتے ہیں، بلکہ قصے کے بعض کردار تو انھیں اس درجہ متاثر کرتے ہیں، کہ وہ خود بھی ویسا ہی بننے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ بچوں کی اس نفسیاتی خوبی سے فائدہ اٹھایئے اور آپ انھیں جیسا کچھ بنانے کی آرزو رکھتی ہیں، ویسے ہی قصے کہانیاں ان کو سنایئے۔ ان کو قصے اور کہانیاں صرف اس لیے نہ سنایئے کہ ان کا شوق پورا ہو، بلکہ ان کو تربیت کا بہترین ذریعہ سمجھ کر اس کا اہتمام کیجیے۔ نبیوں کے پاکیزہ قصے سنایئے۔ صحابہ کرامؓ کے ولولہ انگیز واقعات سنایئے۔ مجاہدینِ اسلام کے مجاہدانہ کارنامے سنایئے۔ میدانِ جنگ کے کارناموں کا ذکر کیجیے، اور اس طرح اسلام کے لیے ان میں جذبات ابھاریئے۔

جنوں اور پریوں کی کہانیاں، بھوت پریت کے واقعات، جادو اور ٹوٹکوں کے قصے، دیو اور ہمزاد کے افسانے بچوں کے لیے انتہائی مضر ہیں، ان کے برے اثرات سے بچوں کے ذہن بری طرح متاثر ہوتے ہیں، اور توحید کی صاف ستھری تعلیم کے باوجود ایک انجانا خوف ان کے قلب و ذہن پر چھایا رہتا ہے۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے باوجود بھی مختلف قسم کے وہموں میں مبتلا رہتے ہیں۔

قصے کہانی سننے کا شوق بچوں کا فطری شوق ہے، اس کا روکنا بھی غلط ہے، اور اس معاملے میں بالکل ہی آزاد چھوڑ دینا بھی غلط ہے، نہایت حکمت کے ساتھ اس معاملے میں ان سے تعاون کیجیے۔ اور ان کی اس ضرورت اور شوق کو اس طرح پورا کیجیے کہ ان کی بہترین

تربیت کرنے میں آپ کامیاب ہوسکیں۔

نماز کی تاکید

نماز ایک ایسی اہم عبادت ہے جو دین سے آدمی کو وابستہ رکھتی ہے، یہ دین کی حفاظت بھی کرتی ہے، دین کی طرف متوجہ بھی رکھتی ہے، اور دیندارانہ زندگی گزارنے کے لیے آدمی کو تیار بھی کرتی ہے، بچوں کو شروع ہی سے عادی بنایا جائے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھیں، اس معاملے میں بے جا لاڈ پیار اور ضرورت سے زیادہ نرمی سخت مضر ہے، عشاء کی نماز پڑھے بغیر بچوں کو سونے نہ دیں، سو جائیں تو اٹھا کر نماز پڑھوائیں۔ فجر کی نماز کے لیے اول وقت اٹھایئے اور صبح سویرے اٹھنے کی عادت ڈالیے، خدا کا ارشاد ہے:

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا طٰهٰ 132:20

''اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔

''اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کی تاکید کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان پر نماز کے لیے سختی کرو اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے بستر الگ الگ کر دو۔''

ان ہدایات کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود بھی نماز کے پابند رہیں اور گھر کی فضا ایسی بنائیں کہ بچے بھی اپنے شوق سے نماز پڑھیں اور آپ کے طرزِ عمل سے ان پر یہ بھی واضح رہے کہ نماز میں لاپروائی کو آپ ہرگز برداشت نہ کریں گے۔

اولاد کی شادی

بچے نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا اور آپ کچھ نئی قسم کی فکروں اور آرزوؤں میں پریشان اور مگن رہنے لگیں۔ اولاد جب عمر کے اس مرحلے میں داخل ہوتی ہے تو ماں باپ کے جذبات کی عجیب کیفیت ہوتی ہے، کبھی آپ آئندہ کے حالات پر سوچتی ہیں تو دور دراز کے اندیشے آپ کے دل کا سکون برباد کر دیتے ہیں، کبھی مستقبل کے اچھے تصورات اور تمناؤں کا خیال کرتی ہیں تو آپ کی خوشیوں اور مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، کبھی خیالی پریشانیوں اور فرضی الجھنوں سے آپ کا دل بیٹھنے لگتا ہے، کبھی احساسِ فرض آپ کو اکساتا ہے اور آپ جلد از جلد اولاد کی اس ذمّے داری سے سبکدوش ہونے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔ کبھی اس تصور سے آپ کا دل خوشی میں جھومنے لگتا ہے کہ گھر کی رونق بڑھانے کے لیے آپ کسی خوش جمال، وفاشعار اور سلیقہ مند بہو کو بیاہ کر لا رہی ہیں۔ کبھی رو رو کر خدا سے یہ دعائیں کرتی ہیں کہ آپ کی چہیتی بیٹی کے لیے کوئی نیک بخت اور نیک سیرت رفیق زندگی مل جائے۔

اولاد کی شادی سماجی ذمّے داری بھی ہے، ماں باپ کی دلی تمنا بھی ہے، اور اسلام بھی اس کی ترغیب اور ہدایت دیتا ہے۔

اسلام کی ہدایت

اسلام ایک فطری دین ہے، جو فطری مطالبات کے عین مطابق ہے۔ آپ چاہتی ہیں کہ بچہ جوان ہو تو مناسب رشتہ ملتے ہی اس کا گھر آباد کرا دیں۔ اسلام آپ کی اس فطری خواہش کی قدر کرتا ہے اور وہ بھی یہی ہدایت دیتا ہے کہ بچہ جب جوان ہو جائے تو اس کی

شادی میں تاخیر نہ کیجئے، موزوں اور قابلِ اطمینان رشتے کی تلاش میں تو ضرور وقت لگے، لیکن اسلام کی ہدایت کی روشنی میں مناسب رشتہ مل جانے کے بعد پھر بے وجہ تاخیر یا ٹال مٹول ہرگز صحیح نہیں ہے، بعض اوقات اس بے وجہ کی ٹال مٹول اور تاخیر سے بہت برے نتائج سامنے آتے ہیں اور ظاہر ہے ان برے نتائج کی ذمّے داری سے ماں باپ خود کو الگ نہیں کر سکتے۔

شادی میں تاخیر کا وبال

لڑکا ہو یا لڑکی جب وہ جوان ہو جائے، تو ماں باپ کی تمام ذمّے داریوں سے اہم ذمّے داری یہ ہے کہ وہ اس کے لیے مناسب رشتے کی فکر کریں اور جونہی مناسب رشتہ مل جائے فوراً اسے نکاح کے رشتے میں باندھ دیں، شادی میں بے وجہ تاخیر سے بعض اوقات انتہائی شرمناک نتائج بھی سامنے آتے ہیں، سماج میں آدمی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا، اور یہ شرمندگی ماں باپ کو زندگی سے بیزار کر دیتی ہے، ظاہر ہے کہ اس کی ذمّے داری ان والدین پر بھی ہے جو اولاد کی شادی میں غفلت برتتے ہیں یا بغیر کسی شرعی اور معقول وجہ کے تاخیر کرتے رہتے ہیں، جوانی کے جذبات کے لیے صحیح مرکز مہیا نہ ہو تو نوجوانوں کے غلط راہ پر جا پڑنے کا اندیشہ بہرحال رہتا ہے اور اس کا علاج یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ ماحول کی خرابی کے شکوے کر کے اپنی بے گناہی ثابت کریں یا نوجوانوں کو ملامت کا نشانہ بنا کر اپنے جرم کو ہلکا کرنے کی ناکام کوشش کریں، اس کا صحیح علاج یہی ہے کہ آپ اپنی ذمّے داری کو محسوس کریں، اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرحلے کے لیے آپ کو جو ہدایت دی ہے، اس پر انتہائی اہتمام اور توجہ کے ساتھ عمل کریں، شادی میں تاخیر کا وبال صرف یہی نہیں ہے کہ خدانخواستہ کوئی بری صورتِ حال سامنے آئی تو رُسوائی ہوگی، بلکہ اسلام کی نظر میں آپ گنہگار ہوں گے، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ وُّلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهٗ وَ اَدَّبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ وَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ۔ (بیہقی)

''جس شخص کو خدا اولاد سے نوازے تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے، اسے اچھی

تربیت دے، اور جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کرادے۔ اگر بالغ ہونے پر اس نے اولاد کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں پڑگئی تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔''

اور ایک موقع پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تورات میں لکھا ہے کہ:

''جس شخص کی بچی بارہ سال کی عمر کو پہنچ گئی اور اس نے بچی کا نکاح نہیں کرایا اور وہ کسی غلطی میں مبتلا ہوگئی تو اس کی غلطی کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔''

مناسب رشتے کی تلاش

بچے کی شادی میں تاخیر بالعموم اس لیے ہوتی ہے کہ مناسب رشتہ نہیں مل پاتا۔ آپ کی یہ خواہش اور کوشش بالکل بجا ہے کہ آپ کے بیٹے یا بیٹی کے لیے مناسب رشتہ ملے، بلکہ یہ فکر و جستجو آپ کا فرض ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ مناسب رشتہ کے لیے پوری جدو جہد کریں۔

اسلام کا مطالبہ آپ سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو جو بھلا برا رشتہ مل جائے، آپ آنکھیں بند کر کے بس اسے قبول ہی کر ڈالیں، اور اس معاملے میں کچھ غور و خوض نہ کریں۔ شادی نہایت اہم معاملہ ہے، پوری زندگی کا مسئلہ ہے، نہ صرف دنیا کے بننے بگڑنے تک اس کے اثرات محدود ہیں بلکہ آخرت کی زندگی پر بھی اس کے اثرات پڑ سکتے ہیں۔ یہ معاملہ نہایت سنجیدہ ہے، شریکِ زندگی کے انتخاب میں سوچ بچار لازمی ہے۔

سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ آپ کا سوچ بچار اسلام کی روشنی میں ہو، انتخاب کا جو معیار اسلام نے بتایا ہے وہی آپ کے پیشِ نظر ہو، اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اپنی اولاد کے لیے شریکِ حیات کے انتخاب میں انھیں بنیادوں کو سامنے رکھیں جن کو پیشِ نظر رکھنے کی اسلام نے ہدایت دی ہے۔ بے لاگ جائزہ لیجیے کہ بچے کی شادی میں کہیں اس لیے تو تاخیر نہیں ہو رہی ہے کہ آپ نے لڑکے یا لڑکی کے انتخاب میں کچھ ایسی باتوں کو اہمیت دے رکھی ہے جن کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اور آپ باتوں کو اس لیے اہمیت دے رہے ہیں کہ سماج میں عام طور پر انھی کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ یا آپ کو اس لیے ان پر اصرار ہے کہ آپ نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس سلسلے میں اسلام کی تعلیمات و ہدایات

کیا ہیں؟

شریکِ حیات کے انتخاب کا معیار

شریک حیات کے انتخاب میں عام طور پر پانچ باتیں پیشِ نظر رہتی ہیں:

1- مال ودولت 2- حسب ونسب 3- حسن و جمال

4- دین واخلاق 5- تعلیم

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ پانچوں باتیں اپنی جگہ اہم ہیں، مال و دولت کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے، بالخصوص اس دور میں، خاندان اور حسب نسب بھی بعض پہلوؤں سے نظر انداز کردینے کے قابل نہیں ہے، بعض خاندان یا برادریاں جو عرصۂ دراز سے پس ماندہ ہیں ان میں بعض معاشرتی، ذہنی اور اخلاقی کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں اور طرز معاشرت، انداز فکر اور سلوک و برتاؤ کا فرق بعض اوقات اس درجہ اثر انداز ہوتا ہے کہ خوشگوار ازدواجی زندگی کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔

انتخاب میں حسن و جمال کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے اور لڑکی کے انتخاب میں تو خاص طور پر یہی چیز فیصلہ کن ہوتی ہے، اس سے انکار کی کیا گنجائش ہے کہ خدا نے انسان کو ذوقِ جمال دیا ہے، اور خوبصورتی پسند کرنے ہی کی چیز ہے۔

تعلیم کی اہمیت اور ضرورت بھی مسلّم ہے اور دورِ حاضر میں تو تعلیم اور ڈگری کا رشتے کے معاملے میں خصوصی خیال رکھا جانے لگا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اونچی تعلیم حوصلوں کو بلند کرتی ہے، تہذیب سے آراستہ کرتی ہے، عزت و احترام کا ذریعہ بنتی ہے، خوش حال زندگی اور سماج میں وقعت وعظمت کا سبب بنتی ہے۔

رہا دین واخلاق کا معاملہ تو ظاہر ہے، مسلمان کے نزدیک اس کی اہمیت اور قدر تو ہونا ہی چاہیے۔ مسلمان ماں یہ کیسے گوارا کرسکتی ہے کہ وہ زیر تجویز فرد میں سب کچھ تو دیکھے لیکن اس پہلو کو نظر انداز کردے یا اسے کوئی اہمیت ہی نہ دے۔

آپ کی خواہش، آرزو اور کوشش اگر یہ ہے کہ آپ کی بیٹی یا بیٹے کو ایسا شریک زندگی ملے جو ان پانچوں خوبیوں میں معیاری ہو، تو آپ کی تمنا بھی مبارک، آپ کی آرزو بھی

درست اور آپ کی کوشش بھی حق بجانب۔ کون نہیں چاہے گا کہ اس کے جگر گوشے کو ایسا ہی جوڑا ملے جو ان پانچوں خوبیوں سے آراستہ ہو۔

اسلام آپ کی اس خواہش، تمنا اور کوشش کی ہرگز ناقدری نہیں کرتا، وہ آپ کے ان جذبات کا احترام کرتا ہے۔

اگر آپ کو ایسا جوڑا مل جائے جس میں یہ ساری خوبیاں موجود ہوں تو یقین کیجئے کہ یہ خدا کی خصوصی نوازش ہے۔ عام حالات میں یہ انتہائی مشکل ہے کہ ہر رشتے کے لیے آپ کو یہ ساری خوبیاں یکجا مل جائیں، کسی میں کچھ خوبیاں ملیں گی تو کچھ خرابیاں بھی ہوں گی۔ دراصل اسی میں آپ کا امتحان ہے کہ آپ انتخاب میں اسلامی نقطۂ نظر اپنے سامنے رکھیں اور انھیں خوبیوں کو وجہ ترجیح بنائیں جن کو اسلام نے ترجیح دی ہے۔

رسول اکرمؐ کی ہدایت

رسولؐ کی ہدایت یہ ہے کہ آپ انتخاب کرتے وقت دین و اخلاق کو اولین اہمیت دیں، دین و اخلاق کے ساتھ دوسری چار چیزوں میں سے جو بھی میسر آجائیں اس پر خدا کا شکر ادا کریں اور پھر بے وجہ ٹال مٹول نہ کریں، ہاں وہ رشتہ آپ کے لیے ہرگز قابل قبول نہ ہونا چاہیے، جس میں اور ساری خوبیاں تو ہوں مگر دین و اخلاق کی طرف سے مایوسی ہو، مسلمان ماں باپ کے لیے دیکھنے کی اولین چیز دین و اخلاق ہے، جو شخص اس سے کورا ہے، وہ دوسری تمام چیزوں میں مثالی ہو تو بھی اس لائق نہیں کہ آپ اپنے جگر گوشے کے لیے اس کا انتخاب کریں، اسے اپنے گھر کی بہو بنائیں یا اپنا داماد بنانے کی سوچیں، دوسری تمام چیزوں کے نقص کی تلافی تو دین و اخلاق سے ہوسکتی ہے، یا یوں کہیے دین و اخلاق کی خاطر دوسری کمزوریوں کو تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن کسی بڑی سے بڑی خوبی کی خاطر بھی دین و اخلاق سے محرومی کو گوارا نہیں کیا جا سکتا، دین و اخلاق کی تلافی کسی دوسری خوبی سے نہیں ہوسکتی، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے:

''نکاح کے لیے عام طور پر عورت میں چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں، مال و دولت، خاندانی شرافت، حسن و جمال، دین و اخلاق، دین دار عورت سے شادی کرو تمہارا بھلا ہو۔''

یہ حدیث آپ کو بتاتی ہے کہ آپ اپنے بیٹے کے لیے ایسی بہو بیاہ کر لائیں، جو دیندار ہو، اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو، ایسی بہو کے ذریعے ہی آپ کا گھر اسلام کا گہوارا بن سکتا ہے، اور ایسی بہو سے ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کی گود سے ایسی نسل اٹھے جو دین و ایمان میں پختہ اور اسلام کے لیے جذبۂ اشاعت و جہاد سے سرشار ہو۔

اسی طرح داماد کے انتخاب کے لیے بھی آپؐ کی ہدایت ہے کہ دین و اخلاق کو ہی بنیادی اہمیت دینی چاہیے۔

''حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تمہارے یہاں کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن اور خوش ہو تو اس سے اپنے جگر گوشے کی شادی کردو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں زبردست فساد پھیل جائے گا۔''

یہ حدیث آپ کو فیصلہ کُن انداز میں بتاتی ہے کہ جب آپ کے یہاں کسی ایسے لڑکے کا پیغام آجائے، جس کے دین و اخلاق کی طرف سے آپ کو اطمینان ہو، آپ کی یقینی معلومات یہ ہوں کہ خدا ترس، دیندار، صوم وصلوٰۃ کا پابند اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہے، تو پھر بلاوجہ تاخیر اور ٹال مٹول کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ خدا کے بھروسے پر اس کے ساتھ شادی کردیجیے اور خیر کی توقع رکھیئے، اس لیے کہ رشتۂ نکاح میں مسلمان کے لیے اولین اہمیت کی چیز دین و ایمان ہی ہے اور جس سماج میں دین و ایمان کو نظر انداز کر کے دوسری چیزوں کو اہمیت دی جائے یا مال و دولت اور حسن و جمال کو دین و اخلاق پر ترجیح دی جائے، تو ایسے سماج میں فتنہ و فساد کا طوفان اٹھ کر رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت ایسے سماج کو اس طوفان سے بچا نہ سکے گی۔

عالمِ اسلام کے معروف مصنفین کی چار مقبول ترین کتابیں

خطبات
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلام اور ایمان کی جامع تعریف اور عبادات کی منفرد تشریح
ایسی کتاب جس نے لاکھوں زندگیوں کو تبدیل کر دیا

محمد عربی ﷺ
محمد عنایت اللہ سبحانی

اسوہءِ رسول ﷺ کا تحریکی انداز میں مطالعہ
سیرت پاک ﷺ کی مقبول ترین کتاب

راہِ عمل
مولانا جلیل احسن ندوی

احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں راہنمائی کا انمول خزینہ
مختصر مگر جامع تشریح

آدابِ زندگی
مولانا محمد یوسف اصلاحی

بندگانِ خدا کے دلوں میں اسلام کا جذبہ شوق
وعقیدت بیدار کرنے کے لیے قرآن اور حدیث
کی روشنی میں کامیاب زندگی کے سنہری اصول
ہر طبقہ فکر میں یکساں مقبول

- ★ چاروں کتابیں یکساں سائز، خوبصورت ٹائٹل، امپورٹڈ کاغذ، معیاری طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ
- ★ عید، شادی اور دیگر خوشی کے مواقع پر خوبصورت تحفہ

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ
منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان 042-5417074,1
U00140